A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

تعلیم و تربیت

77 واں سال نواں شمارہ

جنوری 2018ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیا سال مبارک ہو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

عیسوی سال 2018ء کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نئے سال کے لیے بہت سی دعائیں ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نئے سال میں خوش گوار اور پُرامید صبحیں لائے، ہمارے خوب صورت خوابوں کو تعبیریں ملیں۔ ہمارے جذبوں، عبادتوں اور خواہشوں کو توقیر ملے۔ بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے کہ اس سال وطن عزیز میں کوئی نہ مارا جائے۔ یہ سال پُرامن فضاؤں میں بیتے۔ اس سال نفرت کی ہوا نہ چلے۔ محبتوں، اخوت اور بھائی چارے کے جذبے سرد نہ پڑیں۔ نیا سال منظر منظر ہو جائے۔ ہمارے گھر، ہماری گلیاں جگمگاتی رہیں۔ وطن کی گلیوں میں خوشیوں کے شادیانے بجیں۔ نیا سال اللہ تعالیٰ کی تسلیم و رضا سے نئی بہاریں لاتا رہے۔ ہمارے وطن کی سڑکیں، گلیاں، چمن، درختوں اور پھولوں سے مہکتی رہیں۔ وطن کا آسمان نیلا رہے، فضا اور ہوا شفاف رہے، دھوپ جگمگاتی رہے۔

سال نو مظہر امکان سحر ٹھہرے گا
سال نو مشعل ارباب نظر ٹھہرے گا

اس ماہ کے رسالے میں نئے سال کی مناسبت سے ایک کہانی "نئے سال کا استقبال" شامل ہے۔ دیگر کہانیاں اور مضامین بھی بہت دل چسپ ہیں۔ آپ انھیں پڑھیے۔ آپ کی مثبت تنقید، آراء اور تجاویز رسالے کو بہتر سے بہتر بناتی ہیں اور آپ کی تعریف اور ستائش ہمیں مزید حوصلہ دیتی ہے۔ ہمیشہ کی طرح آپ کی آراء کے منتظر ہیں۔ آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں۔ وطن عزیز کو اللہ تعالیٰ تاقیامت سلامت رکھے اور استحکام بخشے۔

"پاکستان زندہ باد"

فی امان اللہ
ایڈیٹر

اداریہ	مدیر	1
حمد و نعت		2
درسِ قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	3
نئے سال کا استقبال	[illegible]	4
[illegible]	[illegible]	7
پیارے اللہ کے پیارے نام	[illegible]	8
[illegible]	[illegible]	11
[illegible]	[illegible]	17
کوئز (انعامی سلسلہ)		18
[illegible]	[illegible]	19
نظم	[illegible]	23
[illegible]	[illegible]	25
[illegible]	[illegible]	27
[illegible]	[illegible]	28
رنگ بھریں		30
[illegible]	[illegible]	31
[illegible]	[illegible]	32
[illegible]	[illegible]	33
نیا سال (نظم)	[illegible]	36
[illegible]	[illegible]	37
[illegible]		39
[illegible]	[illegible]	40
[illegible]	[illegible]	45
آپ بھی لکھیے	[illegible]	47
[illegible]	[illegible]	51
[illegible]	[illegible]	55
[illegible]	[illegible]	57
[illegible]	[illegible]	59
[illegible]	[illegible]	61
[illegible]	[illegible]	64

ایڈیٹر/پبلشر: نفیسہ سلام
اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر
سرکولیشن: محمد بشیر راہی

دفتر تعلیم و تربیت 32 ایمپریس روڈ، لاہور
UAN: 042-111 62 62 62 Fax 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) 1000 روپے
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) 2400 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) 2400 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے) 2800 روپے

قیمت فی شمارہ 35 روپے

حمد باری تعالیٰ

مہر میں جلوہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
ماہ میں روپ لٹاتے تجھے ہم نے دیکھا
نرم آواز ہواؤں میں تری ہم نے سنی
آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے ہم نے دیکھا
آبشاروں میں ترا نغمۂ زیبا پایا
پھول میں چہرہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
رعد میں غصہ بھرا حکم ترا ہم نے سنا
برق میں ہنستے ہنساتے تجھے ہم نے دیکھا
کھینچ کر خشک زمیں اپنے غلام کے لیے
کھیتیاں سبز اگاتے تجھے ہم نے دیکھا
چند عنایات تری ہوں گی تو گنی بھی جائیں
فیض کا سیل بہاتے تجھے ہم نے دیکھا

مہر: چاند، قمر
رعد: آسمانی بجلی کی کڑک (قرآن کی ایک سورۃ رعد کے نام سے ہے)
برق: بجلی

نعت رسول مقبول ﷺ

فرمایا تم مسلم سارے آپس میں بھائی ہو
مل جل کر رہو الفت سے سدا منظور جو اپنی بھلائی ہو
فرمایا دور کرو سب فکریں تم آفت کے ماروں کی
معذوروں کی مجبوروں کی، بیماروں کی بے چاروں کی
فرمایا تم امداد کرو مظلوموں کی جھپیاروں سے
دیکھو دنیا میں ظلم نہ ہو، ان نیزوں اور تلواروں سے
فرمایا جب تک قوم کوئی خود آپ درست نہیں ہوتی
تقدیر الٰہی بھی اس کی امداد پہ چست نہیں ہوتی
وہ ماہ عرب ہی اے تیر اپنا تو جہاں میں سہارا ہے
ہو جائیں فدا اس نام پہ ہم یہ نام ہی ایسا پیارا ہے

ماہ عرب: عرب کا چاند
فدا: قربان
الفت: پیار، محبت

کھانے کے چند آداب

پیارے بچو! کھانا کھانے کے بہت سے آداب ہیں جس سے ہم ناواقف ہیں۔ آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں کھانے کے آداب سے واقفیت حاصل کرتے ہیں تاکہ ہم پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے طریقے (یعنی سنت) پر کھانا کھانے والے بن جائیں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ "کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز مت کرو، یاد رکھو اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (الاعراف: 31)

حد سے تجاوز کرنے کی مختلف صورتیں ہیں: (1) کسی حلال چیز کو حرام کر لینا۔ (2) حلال سے بڑھ کر حرام سے بھی لطف اندوز ہونا۔ (3) بدتمیزی اور حرص سے کھانا۔ (4) اس قدر کم کھانا جس سے جسمانی صحت بگڑ جائے۔ (5) مضر صحت چیزیں کھانا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) ہے۔" (ترمذی، ابواب الاطعمہ: 1846) معلوم ہوا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے اور کلی کرنی چاہیے، اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا، اور (کھانے کے دوران) میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "اے لڑکے! اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔" (مسلم، کتاب الاشربۃ: 2022)

اس حدیث پاک سے ہمیں تین ادب حاصل ہوئے: (1) کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔ (2) دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، کیوں کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھانا کھاتا ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، نہ پیے کیوں کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔ (ترمذی، ابواب الاطعمہ: 1799) (3) برتن کے چاروں طرف ہاتھ نہ مارو، بلکہ اپنی طرف سے کھاؤ۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لیے برتن بخشش کی دعا کرتا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ: 3271)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے انگلیاں اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم، کتاب الاشربۃ: 2033)

ہم میں سے بہت سوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور پلیٹ صاف نہیں کرتے، پلیٹ میں یونہی کھانا چھوڑ دیتے ہیں، یہ تو اچھی بات نہیں ہے کیوں کہ اس سے اللہ کا رزق ضائع ہوتا ہے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ پلیٹ میں اسی قدر کھانا ڈالا جائے جس قدر کھا سکیں، اور کھانا کھانے کے بعد پلیٹ صاف کرنا اور انگلیاں چاٹنا مسنون عمل ہے۔ جو کھانا کھا کر پلیٹ صاف کرتا ہے اس کو برتن کی دعا مل جاتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تھے تو یوں دعا مانگا کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔" (ابوداؤد، کتاب الاطعمہ: 3850)

پیارے بچو! پیارے نبی ﷺ کے روشن ارشادات میں کھانے کے آداب کس پیارے انداز میں سکھلائے گئے ہیں، جب بھی ہم کھانے کے لیے بیٹھیں ہمیں ان آداب کا ضرور خیال رکھنا چاہیے، کیوں کہ جو کھانا سنت کے مطابق کھایا جاتا ہے وہ باعث برکت ہوتا ہے اور نور کا ذریعہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

شاہد اسکول گراؤنڈ میں فٹ بال کھیلنے اور اپنے دوستوں سے ملنے ملانے کے بعد جب گھر آیا تو ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ اماں زیبو نے جو اس کے خاندان کی پرانی خادمہ تھی، دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک خاص تبدیلی محسوس کی۔ گھر میں تو شام کے وقت بڑا شور ہوتا تھا۔ کنبے کے سارے افراد موجود ہوتے تھے۔ مگر اس روز ہر طرف خاموشی تھی۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا اور سیدھا دادی جان کے کمرے میں گیا۔ دادی جان دادا ابو سے باتیں کر رہی تھیں۔ شاہد کو دیکھتے ہی بولیں:

"ابھی گئے نہیں، شاہد؟"

"کہاں، دادی جان؟" شاہد نے پوچھا۔

"بھول گئے ہو، بیٹا؟ کلثوم کی بارات آنے والی ہے۔ سب وہاں جا چکے ہیں۔ تمھیں بھی سات سے پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

دادی جان کی یہ بات سن کر شاہد کو یاد آ گیا کہ آج شام تو اس کی پھوپھی کی بیٹی کی شادی ہے اور اسے بھی وہاں جانا ہے۔ دادی جان اسے کس قدر حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ شاہد شرمندہ سا ہو گیا۔

"اوہو! میں بھول ہی گیا تھا، دادی جان۔"

"ایسی ضروری باتیں نہیں بھولا کرتے۔" یہ الفاظ اس کے دادا ابو نے کہے تھے۔

"اس لڑکے کا دماغ تو نہ جانے کن کن کاموں میں الجھا رہتا ہے۔" دادی جان نے ذرا غصے سے کہا۔

"چلو، کوئی بات نہیں۔ اب چلے جاؤ۔" دادا ابو بولے۔

"جاتا ہوں۔ کپڑے بدل لوں ذرا۔"

اور یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں پہنچا۔ باجی نے اس کا نیا سوٹ نکال کر ہینگر پر لٹکا دیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی لباس بدلا اور اماں زیبو کو دروازہ بند کرنے کا کہہ کر پھوپھی کے گھر کی طرف جانے لگا۔

پھوپھی کا گھر کافی فاصلے پر تھا، اس لیے وہ اپنی سائیکل لے آیا تھا۔ سائیکل پر سوار ہوتے وقت اس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سات بجنے میں ابھی چھ منٹ تھے۔ سوا سات بجے تک ضرور پہنچ جاؤں گا، اس نے سوچا اور اس کی سائیکل سڑک پر تیزی سے حرکت کرنے لگی۔

بڑی سڑک سے ہوتے ہوئے وہ چھوٹی سڑک پر آ گیا۔ چند منٹ ہی چلا تھا کہ دائیں جانب اس کی نظر ایک گلی پر پڑی۔ اس گلی کے آخر میں اس کا دوست امتیاز رہتا تھا۔ امتیاز اس کا پہلی جماعت سے کلاس فیلو چلا آ رہا تھا۔ دونوں ایک ہی دن اسکول میں

داخل ہوئے تھے اور دونوں میں ایسی گہری دوستی تھی کہ لوگ انہیں دوست نہیں، ایک دوسرے کا بھائی سمجھتے تھے۔

شاہد نے چاہا کہ امتیاز کو بھی اپنے ساتھ لے چلے۔ بڑے مزے میں وقت گزرے گا۔ چناں چہ اس نے سائیکل کا رخ گلی کی طرف پھیر دیا۔ دروازے پر دستک دی تو امتیاز آ گیا۔ شاہد نے محسوس کیا کہ وہ معمول کے خلاف غمگین دکھائی دے رہا ہے۔

امتیاز نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کی نگاہیں اپنے دوست سے پوچھ رہی تھیں۔ ''کیا بات ہے، شاہد؟ کیسے آئے؟''

شاہد کہنے لگے۔ ''تمہیں پتا ہے نا، میری پھوپھی کی بیٹی کی شادی ہے۔ تمہیں پرسوں بتایا تو تھا۔''

امتیاز نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''چلو، پھر۔ خوب لطف رہے گا۔''

''نہیں شاہد۔ میں نہیں جا سکتا۔''

''پر کیوں؟''

''میری آپا کی طبیعت خراب ہے۔ ابا تو دورے پر ہیں۔ امی دوا لینے جا رہی ہیں۔''

شاہد امتیاز کی آپا کو اپنی آپا ہی سمجھتا تھا۔ ان کی بیماری کی خبر سن کر اسے دکھ ہوا۔ اس نے کہا۔ ''مجھے تو ان کی بیماری کا علم ہی نہیں تھا۔ تم نے بتایا ہی نہیں۔''

''ہاں، میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا۔ پرسوں جب ہم ملے تھے تو انہیں ہلکا سا بخار تھا۔ کل صبح طبیعت یکا یک بہت خراب ہو گئی ــــ اور کل اور آج ہم ملے ہی نہیں تھے۔''

''چلو، آپا کے پاس۔''

شاہد امتیاز کے ساتھ دالان میں سے گزر کر اندر آ گیا۔ آپا چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ لگتا تھا بہت کمزور ہو گئی ہیں۔

''آؤ، شاہد بیٹا۔ کیا حال ہے؟'' یہ سوال شاہد سے امتیاز کی امی نے کیا تھا جو برقعہ پہن رہی تھیں۔

''ٹھیک ہوں، خالہ جان۔'' شاہد نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر آپا کے چہرے پر جھک کر بولا۔ ''آپا! کیسی طبیعت ہے؟''

آپا نے ہونٹوں پر ذرا سی مسکراہٹ لا کر سر ہلا دیا۔ ان کی آنکھیں جو ایک لمحے کے لیے کھلی تھیں، پھر بند ہو گئیں۔ شاہد نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کافی بیمار ہیں۔

''امی۔'' امتیاز کہنے لگا۔ ''شاہد! باجی کلثوم کی شادی میں جا رہا ہے۔ مجھے لینے کے لیے آیا تھا۔ میں کیسے جا سکتا ہوں۔''

''ٹھیک کہتے ہو، بیٹا۔ کلثوم کی شادی میں میں بھی ضرور جاتی۔ مگر تمہاری آپا کی طبیعت خراب ہے۔'' پھر انہوں نے شاہد سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''شاہد بیٹا، تم جاؤ۔ ہماری مجبوری اپنی امی کو بتا دینا۔''

شاہد نے دیکھا کہ امتیاز کی امی برقعہ اوڑھ چکی ہیں اور دروازے کی طرف جا رہی ہیں۔ اس نے پوچھا۔

''خالہ جان، آپ کہاں جا رہی ہیں؟''

''رضیہ کی دوا لینے۔ امتیاز گیا تھا۔ ملی نہیں اسے۔ قریب کی دکانوں سے پوچھ کر آ گیا۔''

''خالہ جان، میرے پاس سائیکل ہے۔ میں جاؤں گا۔''

''نہ بیٹا۔ تم بیاہ کے گھر جاؤ۔ لے آؤں گی کہیں نہ کہیں سے۔''

''نہیں، خالہ جان۔ آپ کو دیر لگے گی۔ میں منٹوں میں لے آؤں گا۔''

امتیاز کی امی اسے شادی کے گھر جانے کی تاکید کرتی رہیں مگر شاہد کا اصرار تھا کہ وہی دوا لینے جائے گا اور جب اس کا اصرار قائم رہا تو امتیاز کی امی نے اسے نسخہ اور دس دس کے دو نوٹ دے دیے۔

''اللہ تیرا بھلا کرے، بیٹا۔ لے آ۔ کل یہ دوا بیس روپے کی خریدی تھی۔'' ''اچھا، خالہ جان۔''

شاہد نسخہ اور نوٹ لے کر باہر آ گیا۔ سائیکل پر چڑھتے وقت اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت پڑ جائے۔ وہ کافی فیس لے گا۔ پھر مجھے دادی جان کو بھی بتانا ہوگا کہ باجی کلثوم کے گھر جلد نہیں پہنچ سکوں گا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ امتیاز کے گھر والے تنگی ترشی میں گزر بسر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کی فیس کہاں سے دیں گے۔ اس نے سوچا اور سوچ کر سائیکل کو اس سڑک کی طرف پھیر دیا، جہاں سے وہ آیا تھا۔

شاہد کو گھر کے دروازے پر دیکھ کر اماں رحیمہ نے پوچھا۔ ''تم تو کلثوم کے گھر گئے تھے؟''

''دادی جان سے کچھ کہنا ہے۔''

شاہد فوراً اپنے کمرے میں گیا۔ اس نے اپنے کمرے کا کلاک خریدنے کے لیے کچھ رقم جمع کر رکھی تھی۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ رقم کتنی ہو گئی ہے مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ تین سو سے کم نہیں ہو گی۔ اس نے الماری کھول کر صندوقچی میں سے سارے نوٹ نکال کر جیب میں بھر لیے۔ اس طرف سے فارغ ہو کر دادی جان کے

پاس گیا اور ان سے کہا۔ "دادی جان، امتیاز کی آپا بیمار ہیں۔ وہاں سے ہو کر ادھر جاؤں گا۔"

"جلدی چلے جانا۔ سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"اچھا، دادی جان۔"

اس نے پہلے تو کیسٹ کی ایک بڑی دکان سے دوا خریدی اور پھر تیزی سے سائیکل چلانے لگا۔ جب وہ امتیاز کے گھر پہنچا تو آپا تکیے کا سہارا لے کر پانی پی رہی تھیں۔ پانی کا گلاس ان کی امی نے تھام رکھا تھا۔

"لے آئے، بیٹا؟"

"جی ہاں" اور شاہد نے گولیوں کا پیکٹ امتیاز کی امی کے حوالے کر دیا، جنھوں نے اب گلاس تپائی پر رکھ دیا تھا۔

آپا کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تین گولیاں دے دی گئی تھیں۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر شاہد کا شکریہ ادا کیا اور چند باتیں کرنے کے بعد دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ شاہد کو توقع تھی کہ دوا کے استعمال کے بعد آپا کی طبیعت بحال ہو جائے گی لیکن قے آنے سے انہوں نے جو کچھ کھایا پیا تھا، سب نکل گیا۔ ان کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ تینوں پریشان ہو گئے۔ بار بار بلانے پر بھی وہ نہ تو کچھ بولتی تھیں اور نہ آنکھیں کھولتی تھیں۔

یہ دیکھ کر شاہد کہنے لگا۔ "خالہ جان، میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں، وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر اصغر علی ابھی اپنے کلینک ہی میں تھے۔ شاہد کے باپ کے دوست تھے اور شاہد کو پہچانتے تھے۔ شاہد نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

کلینک بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ ایسے میں ڈاکٹر صاحب سیدھے گھر جاتے تھے۔ مگر شاہد سے انکار نہ کر سکے۔ وہ شاہد کے ساتھ امتیاز کے گھر آئے اور آپا کو دیکھ کر کچھ گھبرا سے گئے۔

"بیماری بڑھ گئی ہے۔ خیر، خدا پر بھروسا رکھیے۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا اور پھر نسخہ لکھ کر بولے۔ "ہر گھنٹے بعد دو گولیاں دینا ہوں گی، اور ایک خوراک مکسچر کی بھی۔ ایک چڑیا مکسچر کے بعد۔ یہ کام صبح تک باقاعدگی سے ہونا چاہیے۔"

شاہد نے نسخہ لے لیا اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کی فیس ادا کی اور سائیکل پر بیٹھ کر کیسٹ کی دکان پر گیا۔ فیس ادا کرنے کے بعد جتنے روپے اس کی جیب میں بچے تھے، وہ دوا خریدنے میں لگ گئے اور جب وہ دوا لے کر لوٹ رہا تھا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

آپا کو ایک ایک گھنٹے بعد دوا ملنے لگی۔ امتیاز نے اور اس کی امی نے شاہد سے بار بار پھوپھی کے گھر جانے کے لیے کہا لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا اور دوا دینے میں امتیاز کی امی کا ہاتھ بٹاتا رہا۔

آہستہ آہستہ آپا کی طبیعت بحال ہونے لگی اور جب سورج کی پہلی کرن نے مشرق سے جھانکا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

شاہد کو امتیاز کی امی نے بڑی دعائیں دیں۔ انہوں نے ڈاکٹر کی فیس دینی چاہی تو شاہد نے کہا۔ "آپا میری بھی آپا ہیں—"

وہ اپنے گھر پہنچا تو اس کے گھر والے واپس آ چکے تھے۔

"تم کہاں رہے، رات بھر؟" اس کی امی نے پوچھا۔

شاہد نے سارا قصہ سنا دیا اور کہا۔ "امی، میں نے دادی جان سے کہہ دیا تھا کہ امتیاز کی آپا بیمار ہیں۔ وہاں مجھے رکنا پڑا۔"

شاہد کے دادا بھی یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ وہ بولے۔

"شاہد! ادھر آؤ، میرے پاس۔"

شاہد ان کے پاس جا بیٹھا۔

"بیٹا، نیا ہے، نئے سال کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ تم نے نئے سال کا استقبال ایک نیکی سے کیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے شاہد کو سینے سے لگا لیا اور بڑی شفقت سے اس کے ماتھے کو چوما اور پھر سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ ☆☆☆

ایک دن فجر ظہر سے کہنے لگی۔ "آؤ ذرا عصر اور مغرب کے پاس چلیں پھر رات کو عشاء کے گھر آرام سے ٹھہریں گے۔ مدت ہوئی ملے ہوئے۔" یہ کہتے ہوئے فجر اپنی ذمہ داری نبھانے چل دی کیوں کہ مؤذن نے اذان کہہ دی تھی۔ ایک پکار جس کو پانچ بار دن میں دعوت اسلام دے کر مسلمانوں کو ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر بلایا جاتا ہے اور ہر رنگ، نسل، ذات کے لوگ محمود و ایاز کی طرح غلامی و حکمرانی کے طوق گلوں سے اتار کر جمہوریت برابری، مساوات، بھائی چارے کے بے مثال نمونے پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بے مثال نمونہ ذات رسول ﷺ نے پیش کر کے دکھایا۔ اللہ پاک کا حکم ہے کہ نبی پاکؐ جس چیز کا حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ نمازیں تو تحفہ الٰہی ہیں جس وقت معراج کی شب ستائیس رجب المرجب کو خاتم المرسلینؐ آسمانوں کی سیر پر بلائے گئے۔ حضرت جبرائیل امین سدرۃ المنتہیٰ تک جا کے ٹھہر گئے۔ مقام قاب قوسین کے مراحل اکیلے ہی طے کرائے گئے۔ تب نبی پاکؐ کی اُمت جو خوش قسمت ترین ہے اپنے حبیب کی ذات مبارکہ کی وجہ سے اس تحفے کی حق دار قرار پائی۔ پچاس کے بدلے پانچ نمازیں مگر اجر و ثواب پچاس کے برابر۔

جب نماز فجر کے بعد کچھ دیر کی فراغت نصیب ہوئی تو سب سہیلیاں مل جل کر آپس میں بات چیت کرنے لگیں۔ فجر نے کہا: "دوستو! میرا نام تو قرآن پاک کی ایک سورت الفجر میں ہے۔ میں پارہ تیس میں ہوں، اس لیے میں تو بہت خوش قسمت ہوں۔ مجھے پڑھنے والا تمام دن چاق و چوبند اور ہشاش بشاش رہتا ہے۔ اس کے چہرے پر نور اور تازگی دکھائی دیتی ہے۔ رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے اور صبح نوری سے فرشتے اس نیک متقی کا نام سنہرے حروف میں لکھ لیتے ہیں اور پھر اللہ پاک کو دکھا کر بتاتے ہیں کہ یہ بندہ سردیوں کے سخت ٹھنڈے ٹھار موسم میں بستر سے نکلا گرم لحاف، کمبل اور گدے کی راحت قربان کی اور تیری بارگاہ میں جھک کر اظہار بندگی کرنے لگا۔ جنت کی کنجی کا وارث ٹھہرا اور اس نے یہ فرمان رسول یاد رکھا کہ نماز حضورؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اپنا نامۂ اعمال کو صبح و سویرے جھٹک جھٹک بنا لیا۔ ظہر کی نماز فجر کے بولنے کے بعد کہنے لگی۔ "مجھے پڑھنے والا طاقت محسوس کرتا ہے۔ راحت و سرور بھی پاتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں سخت گرمی میں نمازی جب مساجد کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں تو فرشتے بھی اللہ کی مخلوق کے لیے دعائے خیر فرماتے ہیں کہ یہ گرمی کی شدت سے بے نیاز اللہ کے گھروں کو آباد کرنے نکل پڑے ہیں۔ چار رکعات سنت چار فرض دو سنت دو نفل پھر جمعہ کے روز جسے سید الایام یعنی دنوں کا سردار کہتے ہیں اس روز مساجد اللہ میں رونق دیکھنے والی ہوتی ہے۔ تمام عالم اسلام طہارت و غسل میں مصروف خطبہ الجمعہ کے لیے بارگاہ خدا میں جھکنے کے لیے تیار۔ خالق و مخلوق کی محبت کا مظہر، جمعہ المبارک کی ساعتیں قبولیت کے در وا کیے، ہر گھڑی انعامات کی بارشیں، رحمتوں کی گھٹائیں نصیب ہوتی ہیں۔ ناخن بھی جمعہ کے بعد کاٹ کر حدیث نبویؐ پر عمل کرنا تاکہ اگلے جمعے تک بیماریوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ مسجد فیصل، مسجد نبوی، مسجد الحرام، بادشاہی مسجد اور دنیا بھر کی تمام مشہور مساجد نیلی، شیخ زید اور ترکی کی ایا صوفیہ سب خوش ہوتی ہیں کہ رحمت الٰہی چھما چھم برس رہی ہوتی ہے۔ ظہر نے ایک لمبی تقریر کی تو فجر کہنے لگی۔ "میری رکعات کے بارے میں مجھے ذکر کرنا بھول گیا دو سنت اور دو فرض۔ ہاں بھئی اب باری ہے عصر کی۔" عصر کو موقع ملا تو سلام و دعا کے بعد کہنے لگی۔ "میرا ذکر بھی قرآن عزیز کی ایک سورۃ میں ہے۔ پارہ تیس میں والعصر کہہ کر اللہ نے قسم کھائی ہے۔ میری چار سنتیں ہیں اور چار

ہی فرض ہیں۔ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں یعنی چھوڑ دیں تو گناہ نہیں پڑھیں تو ثواب میں کوئی کمی نہیں۔ میری اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ اہم تو سبھی ہیں کیوں کہ ہم پانچوں فرض ہیں۔ صرف مجبور الحواس یعنی پاگل دیوانے پر یا کسی اور شرعی طور پر علماء کی رائے سے کوئی فتویٰ ہو تو۔ ورنہ ہم ہر عاقل، بالغ پر فرض ہیں۔ کھڑے، بیٹھ کر، لیٹ کر اشاروں سے معاف نہیں ہیں۔ ہمیں قضا کیا تو تب بھی ہمیں پڑھنا ہے۔ قبر میں سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ بھی نماز ہے۔ یہ حدیث نبوی ہے کہ کافر اور مومن کے درمیان فرق کرنے والی چیز بھی نماز ہے۔ ایک بار حضرت علیؓ کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو رسول پاکؐ کے اشارے پر سورج پلٹ آیا پھر آپؓ نے نماز عصر ادا کی۔ سبحان اللہ عصر کے وقت ہی فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ اعمال نامے انہی کے جگمگاتے ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ خصوصاً درمیانی نماز کی۔ میں بھی بہت خوش ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے بھی مغفرت و بخشش کے لیے چنا۔ متقی لوگوں کے چہروں پر سجدوں کی تاثیر سے ان کی پہچان کی نشانیوں میں عصر کے بعد بھی موجود ہیں۔ الحمدللہ مغرب کی نماز مسکراتی اور سامنے آتی کہنے لگی۔ میری تین فرض، دو سنت اور دو نفل اور وقت بڑا کم ہوتا ہے لہٰذا مجھے جلد ادا کرنا چاہیے۔ میری اہمیت یہ ہے کہ جب رمضان کریم اسلامی مہینوں میں داخل ہوتا ہے تب مغرب کی اذان پر ہی روزہ افطار کیا جاتا ہے پھر تو میرے اندر ٹھنڈک سی ٹھنڈک اتر جاتی ہے کیوں کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، دوم افطار کے وقت پھر مغرب کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کرتے ہیں جیسے پرندے شام ڈھلے اپنے گھونسلوں میں لوٹ آتے ہیں۔ خدا کرے ہر انسان اپنی منزل کو پہنچے (آمین) جانے سے پہلے میں آپ کو ایک سبق آموز واقعہ سناتی چلوں ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی مثال ایسے بیان کی۔ "آپ فرماتے ہیں جس کسی نے اللہ کی رضا کی خاطر اخلاص نیت سے نماز ادا کی اور درخت کو جھنجھوڑ کر دکھاتے ہوئے فرمایا اس طرح اس رسیدہ درخت کے سوکھے پتوں کی طرح اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ نمازوں کی کس قدر برکتیں ہیں۔ مسجد الحرام میں نمازیں ادا کرنے کا اجر و ثواب لاکھ لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی شریف میں ہر ہر نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ یہ تو بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی بہاریں ہیں۔ عشاء کی نماز سب سے آخر میں آتی ہے اس لیے آخر پر اس کی باری آئی تو بولی۔ "دوستو سب نمازیں سمجھو دیوار اور میں نے ان پر چھت ڈال دی تو عمارت استوار ہو گئی۔ جی ہاں نماز میل کچیل، دن بھر کے چھوٹے موٹے گناہ ایک کے بعد ایک دھو ڈالتی ہے۔ اللہ سے ملاقات کا خوب صورت ذریعہ ہے۔ پانچ بار اپنے رب العزت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ نماز ایسے پڑھو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہی ہے۔ یہ بھی فرمان رسولؐ ہے۔ پیارے دوستو نماز کے اندر قرآن عظیم کی عظیم سورۃ فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے جو بہترین دعا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد التحیات، درود و سلام، درود ابراہیم پڑھا جاتا ہے اور سورۃ توحید یعنی سورۃ اخلاص بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دعائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام رب اجعلنی قرآنی دعا ہے۔ جسے ماثورہ دعا بولتے ہیں، وہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ سجدے، رکوع، قیام، تشہد ہر ہر مقام عبادت، تفکر اور رضا کو ظاہر کرتا ہے۔ سجدہ نماز کی معراج ہے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر جب نمازی ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے تمام دنیا سے کٹ کر اپنے اللہ کے آگے ہاتھ باندھتا ہے تو بندے اور خالق کا یہ تعلق مضبوطی کا اعلان کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے ایک مرتبہ نبی پاکؐ نے صحابہ سے فرمایا۔ "اگر تمہارے گھر کے آگے سے ایک نہر گزرتی ہو اور تم پانچ مرتبہ غسل کرتے ہو تو کیا تمہارے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ "نہیں یا رسول اللہ پھر آپؐ نے فرمایا۔ "پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ گناہ مٹتے جاتے ہیں غرض کہ جن بندے اور بندیوں نے خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کیں۔ رب ان سے راضی ہوا۔ ان کا ذکر فرشتوں میں کیا کہ دیکھو میرے بندے کیسی کیسی راتیں قربان کر کے میری بارگاہ میں میری رضا کے لیے کھڑے ہیں۔ قبر میں روشنی اور پل صراط سے نجات سے گزرنے کا ذریعہ نمازیں ہی ہیں۔ قرآن عزیز میں سات سو بار سے زیادہ نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی سے نماز کی اہمیت و فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ تمام عالم اسلام پر اور قیامت تک کے لیے یہ قرآن، ہدایت، نور، نجات، شفا اور صحت کا ذریعہ بھی ہے۔ آیئے ہم عہد کریں تحفۂ رسول کی قدر کریں گے کیوں کہ دنیاوی تحفوں کی تو ہم بہت قدر کرتے ہیں مگر یہ تو وہ تحفہ ہے جو تمام تحفوں کا سردار ہے۔ بستر پہ جانے سے پہلے میری رکعتوں کا آپ کو معلوم ہونا چاہیے چار سنتیں، چار فرض، دو سنت، دو نفل، تین وتر اور پھر دو نفل کل ہو گئیں سترہ رکعات۔ اس کے بعد میٹھی نیند کی ضمانت دیتی ہوں صبح فجر سے ملنے تک۔ ☆☆☆

اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ
(خبر گیری اور نگرانی کرنے والا)

اَلرَّقِیْبُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات سے بھی باخبر ہے اور ہر ایک کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے کسی سے غافل نہیں۔ وہ مخلوقات کی تمام چھوٹی بڑی مصیبتوں سے حفاظت کرتا ہے۔

یہ مبارک نام قرآن کریم میں تین مرتبہ آیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام کی نگرانی رکھتے ہیں تو ایسے کام جن میں اس کی نافرمانی ہو، ان کاموں کو کرنے سے ڈرنا چاہیے، تنہائی میں بھی اور دوستوں کی محفل میں بھی۔ اسی طرح جب وہ ہماری حفاظت کرنے والے ہیں تو پھر ہم جن، بھوت، درندے اور جانوروں سے کیوں ڈریں؟ ڈر تو صرف اسی ایک کا ہونا چاہیے۔

ایک خبر، ایک سبق

ماسٹر نذیر کافی دیر سے اسٹاف روم میں پریشان بیٹھے تھے۔

"نذیر بھائی! آپ پریشان کیوں ہیں؟ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" ماسٹر رفیق صاحب نے پوچھا۔

"کلاس سے پریشان ہوں۔"

"اچھا! مگر کیوں، کیا ہوا کلاس کو؟"

"بھائی رفیق! جب تک میں کلاس میں ہوتا ہوں، میری نگرانی میں سب ٹھیک رہتا ہے۔ ادھر کلاس سے نکلا اور ادھر وہ شور اور دھینگا مشتی کہ بس! مذاق مذاق میں دو لڑکوں میں ہاتھا پائی ہو گئی۔ میں اگر ایک منٹ تاخیر کر دیتا تو ندیم، فیروز کا سر پھوڑ ڈالتا۔"

تھوڑی دیر رک کر پھر انہوں نے کہا: "حالاں کہ اتنا سمجھایا ہے کہ اس طرح نہیں کرتے، مگر مجال ہے لڑکوں کے کان پر جوں تک رینگ جائے۔" "یہ مسئلہ تو میری کلاس میں بھی تھا، پھر میں نے ایک طریقہ اپنایا، تم بھی وہ اپنا لو، شاید مسئلہ حل ہو جائے۔"

"کون سا طریقہ؟" نذیر صاحب بے تاب ہو گئے، پھر رفیق صاحب انہیں تھوڑی دیر کچھ بتاتے رہے۔

"ٹھیک ہے میں کل ہی یہ طریقہ پہلے دورانیے میں اپناتا ہوں۔ مجھے سو فی صد امید ہے کہ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

نذیر صاحب جیسے ہی کلاس میں داخل ہوئے تو سب بچوں نے سلام کا جواب دیا۔

"ہاں جی، سب بچے کتابیں نکال چکے ہیں۔"

"دانیال آج کون سا سبق پڑھنا ہے؟"

"سر آج کا سبق ہے "یوم آزادی"

نہیں! آج کا سبق تو "ایک خبر ایک سبق" ہے۔

"سر! اس طرح کا کوئی سبق کتاب میں نہیں ہے۔" آفتاب نے حیرت سے کہا۔

"جی آج کا سبق ایک انوکھا سبق ہے۔"

لڑکوں کا تجسس بڑھنے لگا تو سر نے اخبار کا ایک تراشہ لہراتے ہوئے کہا: "اس میں موجود ایک خبر ہی آج کا ایک سبق ہے۔ یہ خبر

لندن کے اخبار مانچسٹر میں ایک تصویر کے ساتھ شائع ہوئی۔"

سب بچے اخبار کے تراشے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تدبر صاحب نے ہر ایک لڑکے کی طرف اس اخبار کے تراشے کی فوٹو اسٹیٹ بڑھا دی۔ جب سب لڑکے اخباری تراشے کو بہ غور دیکھ چکے تو انہوں نے بات شروع کی۔ خبر تھی۔ "ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر دس لوگ پکڑے گئے۔"

اب وہ تفصیل اردو ترجمے سے پڑھنے لگے۔ "کار چلانے والے دس آدمی اس جرم میں پکڑے گئے اور ان پر جرمانہ عائد کیا گیا کہ انہوں نے لال بتی جل جانے کے باوجود اپنی گاڑی نہیں روکی۔ ایک گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک چورنگی پر پہنچی، اس کے پہنچتے ہی وہاں کی لال بتی جل اٹھی۔ اب اس گاڑی کو وہاں رک جانا چاہیے تھا، مگر لال بتی جلنے کے باوجود رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور کو معلوم نہ تھا کہ خفیہ کیمروں کے ذریعے سے اس کا فوٹو لیا جا رہا ہے۔ چناں چہ عین اسی وقت جب کہ اس نے لال بتی جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اسے پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ بعد پیش آیا۔ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کے پکڑے جانے کی تفصیل یہ ہے کہ لال بتی جل جانے کے باوجود رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دو سیکنڈ بعد پیش آیا۔

پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا جب کہ دوسری تصویر میں دو سیکنڈ کی خلاف ورزی کو۔ ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کیے جانے والے کیمروں کی مدد سے عمل میں آئی، حالاں کہ یہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزرتی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں، مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی، ان تصویروں کے ذریعے انہیں بآسانی پکڑ لیا گیا۔"

خبر کی تفصیل پوری کر کے انہوں نے لڑکوں کی طرف دیکھا تو سب ہمہ تن گوش تھے۔ ان کے تاثرات سے معلوم ہو رہا تھا کہ انہیں یہ خبر بڑی عجیب لگی۔ انہوں نے مزید کہا: "دیکھا بچو! جب لوگ دنیا کے کیمروں سے پکڑے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خفیہ کیمروں سے کیسے بچیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں، ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ سیدھے ہاتھ والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور الٹے ہاتھ والا برائیاں۔ پھر جب ہم آخرت میں جائیں گے تو انسان تعجب سے کہے گا:

"میں نے دنیا میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں کیا جو انہوں نے لکھا نہ ہو، یعنی سب کچھ لکھ لیا ہے۔" جو کوئی برائی یا نیکی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خفیہ کیمرے اور فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں۔ انسانوں نے جو نظام بنایا ہے وہ ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی بھی پکڑ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نظام کتنا زبردست ہوگا۔"

تدبر صاحب بتا رہے تھے اور سب لڑکے خاموش تھے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے نیا تھا۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں۔ اگر کلاس میں ٹیچر نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ہے اور "الرقیب جل جلالہ" اس کا ایک مبارک نام ہے، جس کا مطلب ہے "بڑا نگہبان" وہ نگہبان موجود ہے اور نگرانی کر رہا ہے تو پھر ہمیں جھگڑا، گستاخی اور کلاس میں ایسے کاموں سے رک جانا چاہیے جو اسے ناپسند ہیں۔ مثلاً: گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ نہیں کریں گے۔

"کیا خیال ہے دانیال، جب میں کلاس سے چلا جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ تو ہوتے ہیں نا؟"

"جی سر! اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہیں۔"

"جب وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہماری نگرانی کر رہے ہیں تو پھر ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟" شہزاد تم بتاؤ۔ "ویسا ہی رویہ جیسا آپ کی موجودگی میں، بلکہ اس سے بھی بہتر۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"آج سے سارے لڑکے ایسے ہی رہیں گے؟"

"جی ہاں!" سب لڑکوں نے مل کر جواب دیا۔

"شاباش! مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔"

دوسرے ہی پیریڈ کی گھنٹی بجی تو وہ کلاس سے باہر آ گئے۔ دوسرے ٹیچر آنے تک کلاس میں ویسی ہی خاموشی تھی جیسی ان کی موجودگی میں۔ "ایک خبر، ایک سبق" والا طریقہ بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ طلباء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبانی اور نگرانی کا احساس پیدا کر کے اب وہ نظم و ضبط کے حوالے سے مطمئن ہو چکے تھے۔

یاد رکھنے کی باتیں

ا۔ جب ہمارے ہر چھوٹے "الرقیب جل جلالہ" ہمارے ہر چھوٹے بڑے کام کی نگرانی فرما رہے ہیں تو پھر ہم ایسے کام نہیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔

۲۔ ہماری کلاس میں اگر استاد موجود نہیں ہے تو کلاس میں شور نہ کریں۔ کسی سے نہ جھگڑیں بلکہ اس وقت بھی کسی کو تکلیف دینے کا ذریعہ نہ بنیں۔

☆☆☆

نام تو اس کا شمائلہ تھا۔۔۔ مگر سب اسے شمی کہا کرتے تھے۔

شمی ایک غریب باپ کی بیٹی تھی۔ شہر کے آخری سرے پر موجود قبرستان کے بالکل قریب ان کا ایک چھوٹا سا جھونپڑا تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی اور ننھی سی ایک بہن تھی، جس کی عمر ابھی محض تین برس ہی تھی۔

ماں کا انتقال کچھ ہی عرصہ پہلے ایک موذی مرض کی وجہ سے ہو گیا تھا۔۔۔ اس کے بعد سے وہ ننھی تھی، جس کی عمر ابھی گیارہ برس ہی تھی۔۔۔ اور جس کے ابھی کھیلنے کودنے، پڑھنے اور گڑیا سجانے کے دن تھے۔۔۔ ایک دم سے گھر کی بڑی ہو گئی۔

اپنے چھوٹے بھائیوں اور ایک ننھی بہن کی جیسے ماں بن گئی۔ اب وہ صبح اسکول جاتی تو بہن بھائیوں کو پڑوس میں چھوڑ جاتی، اور اسکول سے واپس آ کر سارا دن گھر میں رہتی اور بہن بھائیوں کی ایک ماں کی طرح دیکھ بھال کرتے گی، انھیں پالنے گی۔

اس کا باپ بھی بیمار رہنے لگا تھا، عمر بھی خاصی تھی۔۔۔ اور کمزور بھی بہت تھا۔

وہ جھونپڑے سے ملحقہ قبرستان میں قبریں کھودتا تھا۔ وہ اس قبرستان کا گورکن تھا، اگرچہ اس میں جان نہیں تھی، مگر بچوں کو پالنے کے لیے وہ دن بھر قبریں کھودنے میں مگن رہتا اور شام کو ہانپتا کانپتا واپس گھر آتا۔

وہ ایک ٹانگ سے معذور تھا، اس لیے ایک لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ اپنی معذوری کی وجہ سے وہ کوئی اور کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کی لاٹھی

ہاں، اس کی لاٹھی بہت قیمتی تھی۔ جو اس کے دادا کی نشانی تھی۔ گورکن کا دادا کسی زمانے میں زمین دار تھا۔ اس نے اپنے لیے ہاتھی دانت کی لاٹھی بنوائی تھی۔ یہ لاٹھی وراثت میں گورکن کے باپ کو مل گئی، مگر تب تک ساری جاگیر ختم ہو چکی تھی اور اس خاندان پر غربت نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔

جب یہ لاٹھی اسے وراثت میں ملی تب تک وہ بھوکوں مرنے لگے تھے۔ گورکن بچپن میں ہی پولیو کی وجہ سے معمولی سے لنگڑے پن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کا علاج ممکن نہیں تھا، سو وہ اپنے دادا کی قیمتی لاٹھی کے سہارے چلتا تھا۔ لاٹھی کے بغیر بھی چل لیتا تھا، مگر اس لاٹھی سے اسے نسبت تھی، پیار تھا۔۔۔ دادا کی آخری نشانی تھی اس لیے باہر آتے جاتے وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک شام جب گورکن گھر واپس آیا تو تھکن سے چور تھا۔ آج اس نے تین قبریں کھودی تھیں، وہ اتنا تھک چکا تھا کہ آتے ہی چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

شمی نے جلدی سے باپ کو پانی لا کر دیا، گورکن پانی پینے لگا،

تب ثمی کی نظر پڑی—— اس کا بابا آج ہاتھی دانت کی وہ لاٹھی ساتھ نہیں لایا تھا، جو ہمہ وقت اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "بابا—— آپ کی لاٹھی کہاں ہے——؟"

اس کے بابا نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں وہ لاٹھی کیسے بھول گیا——"

"کیا مطلب—— میں سمجھی نہیں بابا——" ثمی نے حیرانی سے کہا۔

"میں نے آج تین قبریں کھودی ہیں بیٹی! میں اتنا تھک گیا تھا کہ یوں ہی گھر کی طرف چل دیا۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ وہ لاٹھی آخری قبر کے پاس ایک درخت کے ساتھ رکھی ہے۔ آدھے راستے تک جب پہنچا۔ تب یاد آیا کہ لاٹھی تو میں قبرستان میں ہی بھول آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ واپس جاؤں مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ واپس جاتا اور لاٹھی لے کر پھر آتا——"

"اوہ—— تو وہ لاٹھی اب بھی وہیں ہے، وہ تو بہت قیمتی تھی بابا—— اور آپ کو بہت عزیز بھی تھی——"

"ہاں بیٹی! اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کر دی اگر وہ لاٹھی کوئی لے گیا تو کتنا نقصان ہوگا میرا۔ وہ میرے لیے صرف اس وجہ سے اہم تھی کہ میرے دادا کی نشانی تھی۔ خیر تھوڑا آرام کر لوں۔ ذرا ہمت ہو جائے تو جاؤں گا اور کوئی لے نہیں گیا تو وہاں سے لے آؤں گا——"

ثمی دیکھ رہی تھی کہ اس کا بابا کس بری طرح تھک گیا ہے۔ وہ چارپائی پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ اپنے بابا کا بہت خیال رکھتی تھی۔ چھوٹی سی تھی مگر حساس بہت تھی، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی چادر اٹھائی اور کہا۔

"بابا—— آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے—— آپ آرام کریں—— میں ابھی وہ لاٹھی لے کر آتی ہوں——"

اس سے پہلے کہ اس کا بابا کچھ کہتا وہ انتہائی تیزی سے جھونپڑے سے نکل گئی۔

ثمی کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ثمی کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسے وقت میں قبرستان کی طرف جانے کے تصور سے بھی ڈر جاتا مگر وہ گورکن کی بیٹی تھی۔ قبرستان تو اس کے بابا کی کام کی جگہ تھی، وہ قبرستان اور اس کی تاریکی سے نہیں ڈرتی تھی۔ جب وہ قبرستان کے قریب پہنچی تو عین اسی وقت چاند گہرے بادلوں میں چھپ گیا اور گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ قبرستان میں بہت سے درخت تھے اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔

یہ ہوائیں درخت کے پتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیٹی بجا رہی تھیں جس سے عجیب سائیں سائیں کی آواز پیدا ہونے لگی تھی۔

ثمی بچی ہی تو تھی—— ڈر جانا چاہیے تھا مگر وہ بے خوفی سے قبرستان میں داخل ہو گئی۔ بدقسمتی سے اندھیرے کی وجہ سے وہ قبروں کے درمیان سے چلتے ہوئے راستہ بھٹک گئی اور بھول گئی کہ اس کی سمت کہاں ہونی چاہیے تھی۔ قبرستان بہت بڑا تھا، وہ کہیں کی کہیں نکل گئی مگر چلتے چلتے وہ احتیاط کر رہی تھی کہ کسی قبر پر پاؤں نہ رکھ دے وہ قبروں کی بے حرمتی سے بہت ڈرتی تھی۔

کچھ دیر تک اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد آخرکار اسے وہ درخت نظر آ ہی گیا جس کے تنے کے ساتھ اس کے بابا کی لاٹھی رکھی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں بھی ہاتھی دانت کی لاٹھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ لاٹھی اٹھانے کے لیے تیزی سے درخت کی طرف لپکی—— اور——

بدقسمتی سے وہ ایک پرانی، دھنسی ہوئی قبر میں جا گری۔ بارشوں کی وجہ سے اکثر پرانی قبریں زمین میں دھنس جاتی تھی۔ ان پر رکھے ہوئے سلیب ٹوٹ جاتے تھے۔ وہ ایسی ہی کوئی قبر تھی جس میں وہ پیٹ کے بل گری تھی۔

اس کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی، مگر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور قبر سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ قبر خاصی گہری تھی اور اس میں سے نکلنا آسان نہیں تھا اور پھر اسے ایک خوف ناک احساس ہوا اسے لگا کوئی چیز اس کی پشت پر سوار ہو گئی ہے۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اگلے ہی لمحے ایک سرسراتی ہوئی سرگوشی نما آواز اس کے کان کے بالکل قریب سنائی دی۔

"اے ننھی بچی—— میں جانے کب سے انتظار کر رہا تھا کہ کوئی اس قبر میں گرے اور میری مشکل آسان ہو۔ اب تم خوش قسمتی سے اس میں آ گری ہو تو اب تم مجھے یہاں سے نکال کر قریب کی آبادی میں لے کر چلو، مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ شدید بھوک سے تڑپ رہا ہوں میں—— اور شدید پیاس سے میری حالت خراب ہے۔"

ننھی شائلہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اتنی تیزی سے کہ جیسے اب یا تب میں سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔ ایک لمحے میں وہ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی

کہ جو چیز اس کی پشت پر سوار ہوئی ہے ـــــ وہ کوئی زندہ مخلوق نہیں ہے۔ اسے اس مخلوق کی استخوانی انگلیاں اپنے بالوں اور گردن سے چمٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

اس نے گردن کی طرف دیکھا مگر وہ مخلوق دکھائی نہیں دے رہی تھی ـــــ وہ کوئی ڈھانچا تھا جو اس کی پشت پر سوار ہو گیا تھا۔ اس نے ثمی کے بالوں کو ایک ہاتھ سے پکڑ لیا تھا اور ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ وہ محسوس تو ہو رہا تھا، مگر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا وزن بھی کچھ خاص نہیں تھا مگر وہ تھا ـــــ اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹانگوں کی ہڈیاں ثمی کے پیٹ کے گرد جکڑ لی تھیں ـــــ بالکل ایسے جیسے کسی بچے کو پیٹھ پر لادا جائے تو وہ اپنے بازو اور ٹانگوں سے جکڑ لیتا ہے۔

ثمی شائد بری طرح پھنس گئی تھی، وہ پورے قبرستان میں اکیلی تھی۔ کوئی اس کا مددگار نہیں تھا جو اسے اس مصیبت سے بچاتا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اگر اس نے اس مردہ ڈھانچے کی مدد نہیں کی جیسا وہ کہہ رہا ہے ویسا نہیں کیا تو وہ اس کی جان لے لے گا۔ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس نے قبر سے نکلنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے قبر کے کنارے تک پہنچی۔ قبر کے کناروں پر قریب میں کچھ گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ مارے تو مضبوط گھاس اس کے ہاتھ میں آگئی اور وہ اسے تھام کر قبر سے باہر نکل آئی۔

اسے اب اپنی پشت پر اس کی موجودگی کے احساس کے ساتھ ساتھ اس کا وزن بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ قبر سے نکلتے ہی وہ مخلوق کچھ وزنی ہو گئی تھی۔ اس کا وزن وہ اپنی پیٹھ اور کاندھوں پر محسوس کر رہی تھی۔

باہر نکلتے ہی وہ تھک کر بیٹھ گئی کیوں وہ بہت بری طرح تھک گئی تھی۔ ایک بھاری وجود پیٹھ پر لاد کر قبر سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ یوں ہی بیٹھی اپنی سانس بحال کرتی رہی۔ اسی وقت اس کے کان میں وہی ڈرا دینے والی سرگوشی سنائی دی۔

"چلو اب اٹھ جاؤ ـــــ مجھے آبادی میں لے کر چلو ـــــ میں تمہاری پشت پر اسی طرح سوار رہوں گا ـــــ مجھے یوں ہی اپنے ساتھ لے کے چلو ـــــ چلو اٹھو ـــــ جلدی کرو ـــــ میں بہت بھوکا ہوں ـــــ بہت پیاسا ہوں ـــــ جلدی کرو ـــــ"

ثمی بڑی مشکل سے کھڑی ہوئی۔ اب اس پر لدا ہوا وزن پہلے سے بھی بھاری ہو گیا تھا، وہ اس وزن کو پشت پر لادے لادے بڑی مشکل سے آبادی کی طرف چلنے لگی۔ وزن کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں مگر اس کو چلنا تھا، اس کی پشت پر موت سوار تھی اگر نہ چلتی تو وہ اس کی جان بھی لے سکتا تھا۔

قبرستان سے نکل کر وہ مرکزی سڑک پر آئے تو پہلا گھر دیکھتے ہی اس کے کان میں سرگوشی نما آواز گونجی۔

"مجھے اس گھر میں لے چلو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ بہت پیاسا ہوں۔ اس گھر میں لے چلو۔ یہاں کچھ کھانے اور پینے کو مل جائے گا۔"

ثمی اس گھر کے دروازے کی طرف چل دی۔ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا ـــــ مگر چلنا تھا۔

گھر ذرا اونچا تھا۔ سارے ہی گھر اونچے تھے۔ اس آبادی میں دروازے تک پہنچنے کے لیے کچھ سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا تھا۔ ثمی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی اور جب وہ بڑی مشکلوں سے دروازے تک پہنچی تو اسی وقت سرگوشی نما آواز نے ذرا گھبرائے ہوئے لہجے میں کپکپاتے ہوئے کہا۔

"نن ـــــ نہیں، اس گھر میں نہیں ـــــ اس گھر سے دور چلو ـــــ ہٹو یہاں سے ـــــ" ثمی حیران ہو گئی۔

"کیوں ـــــ اس گھر میں کیا ہے ـــــ؟" اس نے بمشکل پوچھا۔

"اس گھر میں مقدس کتاب کا ذکر ہے ـــــ یہاں مقدس پانی بھی ہے ـــــ آبِ زم زم ہے یہاں ـــــ اس گھر میں نہیں ـــــ یہاں سے ہٹو ورنہ میں جل کر خاک ہو جاؤں گا ـــــ"

ثمی بڑی حیران ہوئی مگر اس کا کہا ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ثمی بڑی مشکلوں سے سیڑھیوں سے اتری اور دوسری گھر کی طرف بڑھی اور اسی طرح جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازے تک پہنچی تو ایک بار پھر اس کے کان میں کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نن ـــــ نہیں ـــــ اس گھر میں بھی نہیں ـــــ یہاں بھی مقدس کتاب کا ذکر موجود ہے ـــــ مم ـــــ میں جل کر خاک ہو جاؤں گا ـــــ یہاں سے نکلو ـــــ دور ہو جاؤ اس گھر سے ـــــ"

ثمی کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اتنا وزن لادے لادے چلنا، سیڑھیاں چڑھنا اور پھر اترنا آسان کام نہیں تھا۔

وہ ایک بار پھر مشکلوں اور کانپتی ٹانگوں سے سیڑھیاں اتر کر

پہ آئی۔ اب باقی گھر کافی فاصلے پر تھے۔ وہ سڑک پر چلتی ہوئی ایک اور گھر کی طرف جانے لگی۔ اور کچھ ہی دیر میں ایک تیسرے گھر تک پہنچ گئی۔

سیڑھیاں چڑھ کر جب وہ دروازے تک پہنچی تو اس کے کان میں سرگوشی سنائی دی۔

"ہاں ۔۔۔ یہ گھر ٹھیک ہے ۔۔۔ یہاں نہ مقدس کتاب ہے ۔۔۔ اور نہ ہی مقدس لفظوں کی بازگشت۔ دروازے پر ہاتھ رکھو۔ دروازہ کھل جائے گا۔ مجھے اس گھر میں لے چلو۔ یہاں مجھے کچھ کھانے اور پینے کو مل جائے گا۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے مجھے بہت پیاس لگی ہے ۔۔۔"

ثمی نے اس کے کہنے کے مطابق دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا مگر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو حیرت انگیز طور پر دروازہ کھل گیا۔ ثمی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب دروازہ اندر سے بند تھا تو کھل کیسے گیا مگر یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا۔

"مجھے اس گھر کے نعمت خانے میں لے چلو، وہاں کھانے کو کچھ ہوگا ۔۔۔ اور پینے کو بھی ضرور کچھ ہوگا ۔۔۔"

گھر میں تاریکی تھی، ثمی اس کو پشت پر لادے گھر کے مختلف حصوں سے گزر کر باورچی خانے میں پہنچ گئی اور کھانے پینے کی چیزیں تلاش کیں مگر وہاں کھانے کو کچھ نہیں تھا ۔۔۔ نہ ہی پانی تھا ۔۔۔ ایک جگ میں گندا سا کھارا پانی تھا اور بس ۔۔۔

ثمی کو ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"لعنت ہو ان لوگوں پر ۔۔۔ انہوں نے نہ کھانے کے لیے کچھ رکھا ہے ۔۔۔ اور نہ پینے کے لیے ۔۔۔ اب ایسا کرو ۔۔۔ وہ جو سامنے سیڑھیاں اوپر جا رہی ہیں ۔۔۔ اس پر چڑھو ۔۔۔ شاید اوپر کچھ مل جائے ۔۔۔"

ثمی کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اوپر جائے کیوں کہ وہ اس گھر میں رہنے والوں کو جانتی تھی۔ اس گھر کی چھت پر تین بچے سوتے تھے، وہ ان لڑکوں کے ساتھ ہی اسکول جاتی تھی۔ ان کے ساتھ ہی اسکول میں پڑھتی تھی۔

مگر اس کی پشت پر لدی ہوئی مخلوق نے جب اس کی گردن میں اپنی نہ دکھائی دینے والی استخوانی انگلیاں دھنسائیں تو اس کا دم گھٹنے لگا اور وہ مجبوراً سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر پہنچ گئی۔

چاند ابھی تک بادلوں کی اوٹ سے نہیں نکلا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ اوپر تین چارپائیوں پر تینوں بھائی مزے سے گہری نیند سو رہے تھے۔

ان تینوں لڑکوں کو دیکھتے ہی ثمی کی پشت پر سوار غیر مرئی مخلوق اس کی پشت سے اتر گئی اور اگلے ہی لمحے اس نے دیکھا کہ تینوں لڑکوں کی گردن سے خون کا فوارہ سا اٹھا۔ ثمی کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، وہ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی اس سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ پر قابو پایا تھا۔

غیر مرئی مخلوق نے ان تینوں لڑکوں کا خون پینا شروع کر دیا۔ پہلا خون کا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کی سانس آنی بند ہوگئی، دوسرا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا۔ تیسرا قطرہ پیتے ہی لڑکوں کے جسموں نے تڑپنا بند کر دیا اور ساکت ہو گئے۔

لڑکوں کی چارپائیوں کے پاس ایک خالی جگ رکھا تھا۔ غیر مرئی مخلوق نے ان لڑکوں کے خون سے جگ بھر لیا اور اگلے ہی لمحے ثمی کی پشت پر سوار ہو کر بولا۔

"اب مجھے نعمت خانے میں لے کر چلو ۔۔۔ اب میں دعوت اڑاؤں گا ۔۔۔"

ثمی گہرے دکھ اور افسوس کے ساتھ اسے لے کر نیچے باورچی خانے میں گئی، وہ بہت دکھی ہو رہی تھی۔

غیر مرئی مخلوق ایک سوکھی ڈبل روٹی اٹھا کر جگ میں موجود خون میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگی ۔۔۔ کچھ ہی دیر میں جگ خالی ہو گیا۔ اس کے پیندے میں کوئی ایک چمچ خون باقی رہ گیا۔ جب وہ پیٹ بھر کر کھا چکا تو اس نے ایک چمچے میں خون بھرا اور ثمی سے بولا۔

"اس کو پیو ۔۔۔"

"ن ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ میں نہیں پی سکتی ۔۔۔" ثمی تڑپ کر بولی۔

اس نے ثمی کی گردن اپنے ڈھانچے جیسے ہاتھ سے پکڑ لی اور غرا کر بولا۔ "ابھی پیو ۔۔۔ ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا ۔۔۔"

ثمی کا دم گھٹنے لگا، اس نے بڑی مشکل سے چمچ تھاما اور اسے منہ تک لے گئی۔ وہ مخلوق اس کی طرف سے بے فکر ہو کر ایک بار پھر ڈبل روٹی کو کھڑکا کر جگ میں بچے کھچے خون میں ڈبو کر کھانے لگی۔ اس کا دھیان ثمی کی طرف نہیں تھا۔ ثمی نے موقع دیکھتے ہی چمچے میں بھرا ہوا خون فرش پر پھینک دیا۔ ڈھانچے نے کہا۔

"ہمیں جلدی جلدی یہاں سے جانا ہوگا۔ فجر کی اذان ہونے سے پہلے پہلے مجھے اپنی قبر میں واپس پہنچنا ہے۔"

ثمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے وہیں کھڑی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ اس گھر سے نکلے تو ایک بار پھر وہ ڈھانچا ثمی کی پشت پر سوار تھا۔ جب گھر سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تو ڈھانچے نے عجیب انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے۔ ان لڑکوں کے زندگی کی طرف لوٹنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔۔۔"

"کون سا طریقہ۔۔۔؟" ثمی نے بے اختیار پوچھا۔

اگر ان کے خون کا قطرہ ان کے حلق میں ڈال دیے جائیں تو وہ ایک بار پھر جی سکتے تھے لیکن اب تو سارا خون ختم ہوگیا۔ اب ان کے بچنے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ وہ معصومی موت مرے ہیں۔ کل عصر کی اذان سے پہلے پہلے گر ان کے حلق میں ان کا خون ٹپکا دیا جاتا تو وہ زندگی کی طرف واپس آسکتے تھے۔"

ثمی چپ رہی کچھ نہ بولی۔ اسے ان تینوں لڑکوں کی موت کا شدید دکھ تھا۔ وہ اس کے اسکول کے ساتھی تھے۔ اور وہ ان کی موت کا سبب بن گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس قبرستان کی طرف جا رہے تھے۔

رات مزید گہری ہوگئی تھی اور اندھیرا پوری طرح ہر چیز کو اپنے لپیٹے میں لیے ہوئے تھا۔ وہ مخلوق ثمی کی پشت سے چپکی پورے راستے اسے عجیب و غریب اور دہشت زدہ کردینے والی کہانیاں سناتی رہی جنہیں سن کر ثمی کے رونگٹے کھڑے ہوتے رہے۔

جب وہ قبرستان کے قریب پہنچے تو اسی وقت چاند نے گہرے بادلوں کی اوٹ سے باہر جھانکنا شروع کردیا تھا اور کچھ کچھ چاندنی پھیلنے لگی۔ قبرستان میں داخل ہوتے وقت مسجدوں سے درود شریف پڑھنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں، گویا فجر کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔ وہ قبرستان میں داخل ہو چکے تھے۔ اس کی پشت پر موجود مخلوق بری طرح سے کسمسا کر بولی۔

"جلدی کرو۔۔۔ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔"

ثمی کے لیے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ بہ مشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی اس درخت کی طرف جا رہی تھی جو اب چاندنی میں دکھائی دینے لگا تھا اور وہاں اس کے بابا کی ہاتھی دانت کی چھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

جس وقت وہ اس دھنسی ہوئی قبر کے قریب پہنچی، اسی وقت مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔۔۔ اسی لمحے اس کی پشت پر موجود مخلوق ایک چھلانگ لگا کر دھنسی ہوئی قبر میں گھس گئی۔

ثمی کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ اس پر سے ایک بھاری بوجھ ختم ہوگیا تھا۔ وہ موت کے شکنجے سے نکل آئی تھی۔ اس نے بھاگ کر کر اپنے بابا جان کی لاٹھی اٹھائی اور دوڑتے ہوئے قبرستان سے نکل کر اپنے جھونپڑے کی طرف چل دی۔

جب وہ اپنے گھر پہنچی تو اس کے گھر میں سب گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ خود بھی اس بری طرح تھک چکی تھی کہ اپنی چارپائی پر لیٹتے ہی اسے گہری نیند نے آلیا۔

چند گھنٹوں بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے بابا نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"ثمی ثمی۔۔۔ جلدی اٹھو۔۔۔ یہاں ایک سانحہ پیش آگیا ہے۔ کسی نے رات کو محلے کے تین بچوں کی جان لے لی ہے۔"

ثمی چونک کر بیٹھ گئی۔ تب اس کے بابا نے دیکھا کہ ثمی کے کپڑوں میں مٹی لگی ہوئی ہے اور اس کے بالوں میں بھی مٹی ہے۔ اس کی حالت خراب تھی۔ آنکھوں کے گرد رات ہی رات میں حلقے پڑ گئے تھے۔ کپڑے بھی گندے ہو رہے تھے اور ان پر خون کے کچھ چھینٹے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

اس کے بابا نے چونک کر پوچھا۔ "ثمی بیٹا۔۔۔ تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی۔۔۔؟"

ثمی کوئی جواب نہ دے سکی وہ تیزی سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی جھونپڑی سے نکل گئی۔ بھاگتے ہوئے ان لڑکوں کے گھر کی طرف جانے لگی جہاں رات وہ اس مخلوق نے اس کی مدد سے بچوں کی جان لی تھی۔

جب وہ ان بچوں کے گھر کے قریب پہنچی تو دیکھا، گھر کے باہر لوگوں کا جم غفیر تھا۔ بستی کے تمام ہی لوگ ان لڑکوں کے والدین سے تعزیت کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔

ثمی نے چلا کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے اندر جانے دیں۔۔۔ مجھے راستہ دیں۔۔۔ مجھے اندر جانا ہے۔۔۔"

"نہیں بیٹا۔۔۔ تم اندر نہیں جا سکتیں۔۔۔ اندر کا منظر بہت بھیانک ہے۔۔۔ خون پھیلا ہوا ہے۔۔۔ اتنی چھوٹی بچی کے لیے یہ منظر ٹھیک نہیں ہے۔۔۔"

ثمی نے چلا کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے اندر جانے دو۔۔۔ یہ

لڑکے مرے نہیں ہیں..... عارضی موت کا شکار ہیں..... میں اُن کی زندگی بچا سکتی ہوں ابھی.....''

سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے، عجیب باتیں کر رہی تھی وہ۔ ثمی نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں..... خدا کے لیے مجھے اندر جانے دیں..... میں ان کی زندگی بچا سکتی ہوں.....''

''تم..... کیسے بچا سکتی ہو ان کی زندگی.....؟'' کسی ایک کے منہ سے نکلا۔

''یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے مجھے اندر جانے دیں۔ میں اکیلی اندر جاؤں گی اور ان تینوں لڑکوں کی زندگی بچا لوں گی.....''

سب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کسی کو بھی اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر ان لڑکوں کا باپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا جانے کیوں اسے اس کی بات پر یقین آ گیا، اس نے جلدی جلدی گھر خالی کرایا اور ثمی سے کہا۔ ''جاؤ.....''

ثمی بھاگتی ہوئی اندر گئی اور سیدھی باورچی خانے میں جا کر اس نے فرش پر دیکھا۔ ان تینوں لڑکوں کا وہ خون ابھی تک فرش پر پڑا تھا جو اس نے مخلوق کی نظر بچا کر پھینک دیا تھا۔ وہ اگرچہ کچھ جم چکا تھا مگر جب ثمی نے چمچے سے اس خون کو اٹھایا تو اس میں بغیر جما ہوا کچھ کچھ خون بھی تھا۔

چمچے میں وہ خون لے کر ثمی تیزی سے دوڑتی ہوئی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچی اور دیکھا کہ تینوں لڑکے ابھی تک اسی طرح اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ اُن کے گلے کچھ کٹے ہوئے تھے۔

وہ اُن پر جھک گئی۔ آہستگی سے اُن کے منہ کھولے اور ایک ایک قطرہ خون اُن کے حلق میں ٹپکا دیا۔

جوں ہی پہلا قطرہ اُن کے حلق میں گیا، تینوں لڑکے سانس لینے لگے۔ ثمی نے ایک ایک قطرہ باری باری تینوں کے حلق میں پھر ٹپکا دیا۔ دوسرا قطرہ حلق میں جاتے ہی، اُن کے دل دھڑکنے لگے۔ اور جوں ہی اس نے تیسرا قطرہ اُن تینوں کے حلق میں ڈالا..... تینوں لڑکوں نے ایک ایک چھینک ماری اور وہ عارضی اور مصنوعی موت سے زندگی کی طرف لوٹ آئے۔

انہیں ہوش میں آتا دیکھ کر ثمی خوشی سے جھوم اٹھی۔ وہ جلدی سے پلٹی تو اُن لڑکوں کا باپ ثمی کے قریب آیا اور بولا۔

''ثمی بیٹی..... تم نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی ہے..... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں اُتار سکتا..... بولو میں تمہارے لیے کیا کروں..... کس طرح تمہارے احسان کا بدلہ اُتاروں.....'' تب ثمی نے کہا۔

''اس قبرستان میں ایک مخلوق ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے..... اور وہ یہ..... کہ سب اپنے گھر میں ہر روز اونچی آواز میں قرآن پڑھا کریں اور مقدس پانی ضرور رکھا کریں۔''

''مقدس پانی.....؟'' سب نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں مقدس پانی..... جسے ہم آبِ زم زم کہتے ہیں..... آبِ زم زم کی موجودگی میں گھر میں کوئی غیر مرئی مخلوق داخل نہیں ہو سکتی۔ ایسا اس مخلوق نے مجھے بتایا تھا.....'' اس کے بعد ثمی نے سارا واقعہ سب کو بتایا۔ سب حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر سب نے اس کو چوم لیا۔ اس بہادر بچی نے اتنی چھوٹی سی عمر میں ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ ☆☆☆

ہم چھینکتے کیوں ہیں؟

جب ہم چھینکتے ہیں تو ہوا کو تیز رفتاری میں سے اس مادے کو نکال پھینکتا ہے جس سے ناک میں سوزش ہوتی ہے۔

فرض کیجیے ہم ایسی جگہ سانس لے رہے ہیں جہاں بہت سی مرچیں پڑی ہیں۔ مرچوں کا کوئی ذرہ اڑ کر ہماری ناک میں چلا جاتا ہے جس سے سوزش ہونے لگتی ہے۔ ناک دماغ کو پیغام بھیجتی ہے کہ مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔ دماغ فوراً ہی پھیپھڑوں کو حکم دیتا ہے۔ جس پر وہ دھونکنی کی طرح چلنے لگتے ہیں اور ہوا کا ایک زور دار جھونکا اندر سے نکلتا ہے اور مرچ کے ذرے کو ناک سے نکال پھینکتا ہے۔

ناک میں بہت سی چیزیں سوزش پیدا کر سکتی ہیں۔ گھاس و پھولوں کا زیرہ بعض لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے اور وہ بار بار چھینکتے ہیں۔ ایسے لوگ ''الرجک'' ہوتے ہیں۔ اور نزلے اور زکام کا جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ نزلہ بھی چھینکنے کا باعث بنتا ہے۔ ایک دفعہ چھینکیں آنا شروع ہو جائیں تو ہزار کوشش کے باوجود بند نہیں ہوتیں۔ انہیں روکنے کی ایک ترکیب ہے۔ اگر آپ ہونٹ کے بالائی حصے کو انگلیوں سے دبا دیں کہ تکلیف ہونے لگے تو چھینکیں رک جائیں گی۔ کیوں کہ ہونٹ میں درد ہوگا تو دماغ سے فریاد کرے گا کہ میری مدد کرو اور دماغ ناک کو چھوڑ کر ہونٹ کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ چھینکوں سے نجات حاصل کر لیں گے۔ ☆☆☆

کھوج لگائیے!

کھوج لگائیے اور 500 روپے کی کتابیں بطور انعام پائیے۔

آپؓ ایک بہت کام یاب جرنیل تھے۔ آپؓ نے اکثر غزوات میں حصہ لیا۔ خاص طور پر غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں آپؓ نے اپنی بہادری اور شجاعت کے کافی کمالات دکھائے۔ ایک جنگ میں آپ نے اسلامی لشکر کی قیادت کی۔ آپؓ نے قادسیہ کے مقام پر قیام کیا۔ امیر المومنین کی ہدایت پر ایک وفد شہنشاہ ایران کے پاس بھیجا، جس میں آپؓ نے ایک پیغام بھیجا کہ "تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہم تم بھائی بھائی ہو جائیں گے یا جزیہ دینا قبول کرو ورنہ یہ جنگ لازمی ہو گی۔"

پیارے بچو! شہنشاہ ایران یہ پیغام پڑھ کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے جواب دیا کہ "رستم آ رہا ہے وہ تمھیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔" شہنشاہ ایران کو یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمان کتنے بہادر اور جری سپاہی ہیں۔ وہ شہید ہونا جانتے ہیں، وہ جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ چناں چہ اس جنگ میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو آپؓ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ خوب ڈٹ کر لڑے اور ایرانی فوج کے چھکے چھڑا دیے۔ ایرانی خوف زدہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

بچو! آپؓ ــــــ نے جس جنگ میں بھی حصہ لیا اس میں کام یابی و کامرانی حاصل کی۔ کوفہ کا شہر آپؓ نے آباد کیا۔ آپؓ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے متعلق نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور اکرمؐ نے آپؓ کو مرد صالح کا لقب عطا کیا تھا۔ آپ نے سترہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپؓ نہایت پاک باز، نیک اور پارسا تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے ان جاں باز سپوت کے اسوہ پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین پیارے بچو! ان صحابیؓ کا نام مبارک بتائیے؟

دسمبر 2017ء کے کھوج لگائیے کا جواب یہ ہے کہ مینڈک کی ٹانگوں کے حرکت کرنے سے کریم میں مکھن کے ڈھیلے بن گئے اور مینڈک ان پر پاؤں رکھ کر برتن سے باہر نکلا۔

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

1- عبداللہ خان، لاہور
2- طاہرہ رمضان، لاہور
3- محمد ابوبکر عارف قادری، کاموکی
4- سلمیٰ لیاقت علی، میرپور، آزاد کشمیر
5- علیزہ احمد، راول پنڈی

کام یابی کے اصول (2)

زندگی میں کام یابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی ذات کو پہچانیں۔ اپنی زندگی کا مقصد واضح کیجیے۔ طے کر لیجیے کہ آپ کو زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی اہمیت ہے۔ سو فی صد یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ حقیقت میں کون ہیں اور آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خاص صلاحیت، قابلیت اور اہلیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اسے دریافت کرنا آپ کا فرض ہے۔ اگر کوئی دوسرا ڈاکٹر یا انجینئر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بھی ڈاکٹر یا انجینئر بن سکتے ہوں۔ ہر پیشہ ہر کام کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔

"اپنی حدود کو پہچانو، اپنی صلاحیتوں کو پرکھو تو زندگی میں تمہاری کام یابی یقینی ہے۔" (علامہ اقبالؒ)

اب دوسرا سوال کہ با مقصد زندگی کے لیے کن سوالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تنہائی میں پرسکون ہو کر چند سوالات اپنے ساتھ کریں۔

☆ اصل میں میں کون ہوں؟ میری خواہشات کیا ہیں؟
☆ میری ترجیحات اور اقدار کیا ہیں؟
☆ میری خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟
☆ کیا مجھے مقبولیت، عزت، دولت، تحفظ یا محبت چاہیے؟
☆ کیا میں کامرانی، انعام، شناخت، آزادی، خاندان یا صحت کو اہم سمجھتا ہوں؟
☆ کون سی چیز مجھے معنوں میں مجھے تحریک دیتی ہے؟

زندگی میں منفرد مقام حاصل کرنے کے لیے اپنا مقصدِ حیات جان لیجیے۔ دوسروں کی کام یاب زندگی کو دیکھ کر اس کی نقل نہ کریں۔ جب آپ کوئی اور بننے کی کوشش کریں گے تو ہرگز کام یاب نہیں ہوں گے۔ ایک ریسرچ کے مطابق 93 فی صد لوگ اپنی زندگی میں کیے گئے فیصلوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے فیصلوں کی بنیاد ان کی ذاتی ترجیحات نہیں تھیں بلکہ دوسرے لوگوں کا دباؤ تھا۔

کھوج لگایئے

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اپریل 2018ء ہے۔

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

دماغ لڑاؤ

جواب کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اپریل 2018ء ہے۔

نام: ____________

مقام: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

ہوشیار مصور

ڈرائنگ کا موضوع "[illegible]" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 5 اپریل 2018ء ہے۔

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

موبائل نمبر: ____________

(گزشتہ سے پیوستہ) گولی لگتے ہی بانس دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اس کا ایک حصہ علیحدہ ہو کر دور جا گرا۔ یہ تماشا دیکھ کر ان جنگلیوں پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ بیان سے باہر۔۔۔ وہ پرے ہٹ کر مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور کئی آدمیوں نے مجھے بڑا زبردست جادوگر سمجھ کر میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر سلام کیا۔ ان جنگلیوں سے چوں کہ مجھے کام لینا تھا اور ان کی ہمت بندھانی ضروری تھی، اس لیے میں نے کچھ اور ''کارنامے'' بھی پیش کیے۔ آسمان پر بگلوں کی ایک قطار اڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے رائفل اونچی کی اور دو فائر کیے۔ چشم زدن میں دو بگلے پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر آن گرے۔ اب تو ان لوگوں کے خوف کی انتہا نہ رہی۔ معاً سب کے سب زمین پر گر پڑے اور میرے پیروں میں لوٹنے لگے۔

بستی کے کئی آدمیوں کا یک وقت درندوں کا شکار ہونا معمولی بات نہ تھی۔ ہر شخص غم و اندوہ اور غصے کی تصویر بنا ہوا تھا۔ رات کے وقت ہر گھر سے عورتوں اور مردوں کے رونے کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں ایسی لرزہ خیز اور ڈراؤنی تھیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دور کسی ویرانے میں بہت سی بدروحیں بین کر رہی ہیں۔ جادوگر تمام رات آگ کے الاؤ پر طرح طرح کے منتر پڑھتا اور اچھل کود کرتا رہا۔ اس شخص کا حلیہ بڑا عجیب اور پراسرار تھا۔ سرتاپا سیاہ چمک دار جسم، جانے کوئی روغن مل رکھا تھا۔ زرد آنکھیں، گلے میں ہڈیوں کی لمبی مالا، سر کے بال عورتوں کی طرح گندھے ہوئے اور چہرے پر خون سے طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے۔ بڑی بھیانک شکل تھی۔ جب وہ جوش میں آ کر اپنے سفید دانت نکالتا، تو میری ریڑھ کی ہڈی سرد ہو جاتی۔

الاؤ کے گرد بہت سے آدمی خاموشی سے بیٹھے جادوگر کی طرف پلک جھپکائے بغیر دیکھ رہے تھے۔ جادوگر نے واقعی ان پر سحر کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جادوگر ان لوگوں کو بے وقوف بناتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جنگل کی طرف سے شیر کی گرج سنائی دی۔ میں چونکا ہو گیا اور رائفل مضبوطی سے تھام لی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ شیر کی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس طرف آ رہا ہے۔ جادوگر اور تیزی سے اچھلنے کودنے لگا۔ اب وہ اونچی آواز سے منتر پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان شیر جھاڑیوں میں سے برآمد ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا جادوگر سے دس فٹ کے فاصلے پر آن کر رک گیا۔ شیر کی چال دیکھ کر مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے اپنے ساتھ لا

رہی ہے۔ اس کی چمک دار زرد آنکھوں سے حیرت اور خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس میں شیروں کی سی خون خواری اور وحشت بھی نہ تھی۔ اس وقت وہ ایک معصوم بھیڑ یا بکری کی مانند نظر آ رہا تھا۔

میں دم بخود اپنی جگہ دبکا ہوا زندگی کا سب سے حیرت انگیز تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں نہ تھی کہ سائنس کے اس دور میں جب کہ انسان خلا کی تسخیر کر رہا ہے، ہندوستان کے گھنے جنگلوں میں ایسے جادوگر موجود ہیں جو جادو کے زور سے وحشی درندوں کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی جادو ٹونے کی کرامت تھی۔ جادوگر نے [illegible] آگ کے [illegible] میں سے لوہے کی ایک لمبی سلاخ نکالی۔ سلاخ آگ میں تپ کر سرخ ہو رہی تھی۔ پھر وہ شیر کی طرف بڑھا۔ میرا بدن دہشت سے پسینے میں تر تھا۔ دل کی دھڑکن گویا بند ہونے والی تھی۔ شیر بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنا اپنی جگہ کھڑا تھا۔ جادوگر کو قریب آتے دیکھ کر وہ غرایا اور پھر ایسا انداز اختیار کیا جیسے اس پر حملہ کرنے والا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے جادوگر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اب میں نے دیکھا کہ جادوگر کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ سلاخ اس کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے شیر کی گردن پکڑ لی اور پھر گرم گرم سلاخ چند ثانیوں کے اندر اندر شیر کی آنکھوں میں گھونپ دی۔ خدا کی پناہ۔ شیر کی ہولناک گرج، اس کا تڑپنا، لوٹنا اور لوگوں کا دہشت سے چلانا، ایک عجیب منظر تھا۔ شیر دہاڑتے چیختے، فوراً جنگل میں بھاگ گیا۔ اب وہ بالکل اندھا ہو چکا تھا۔ سب لوگ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے زور زور سے چلا رہے تھے۔ غالباً وہ بھی منتر پڑھ رہے ہوں گے۔ جادوگر کا اتنا رعب مجھ پر غالب آیا کہ میں بھی گھٹنوں کے بل جھک کر اناپ شناپ بکنے لگا۔ شیر کے چلے جانے کے بعد دیر تک جادوگر منتر پڑھتا رہا اور جب صبح کے آثار نمودار ہونے تو سب لوگ اپنی اپنی جھونپڑیوں کی طرف چلے گئے۔

اس تماشے کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ اب میں بھی جادوگر کا قائل ہو چکا تھا۔ اس قسم کے شعبدوں کے سامنے بھلا رائفل کی کیا حیثیت تھی اور حیران کن بات یہ کہ کئی دن تک درندوں کے بارے میں کوئی خبر سننے میں نہ آئی اور نہ کسی نے اس اندھے شیر کو جنگل میں پھرتے دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر کو سزا ملنے سے باقی درندوں نے عبرت پکڑ لی ہے اور اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔ جادوگر نے لوگوں سے کہا تھا کہ اگر اب کوئی واردات ہوئی تو وہ دوسرے شیر کو بلا کر اندھا کر دے گا۔

لوگ نڈر ہو کر جنگلوں میں آنے جانے لگے اور رفتہ رفتہ بستیوں میں وہی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ اس دوران میں جادوگر کو لوگوں نے خوش کر دیا۔ اس کے گھر کے آگے غلے، کپڑے اور برتنوں کا انبار لگ گیا۔ جادوگر نے بعد میں یہی چیزیں گاؤں کے ان لوگوں میں تقسیم کر دیں جو بہت نادار اور مفلس تھے۔ اس سخاوت سے میں بھی متاثر ہوا۔ مجھے افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ رائفل کے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔ بہرحال میں روز جنگل میں جاتا اور اندھے شیر کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

ایک رات کا ذکر ہے، آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ ایک جھونپڑی میں سے کوئی عورت نکلی اور کسی کام سے دوسری بستی کی طرف چلی گئی۔ زیادہ سے زیادہ آدھ میل دور ہو گی۔ راستہ جنگل میں سے گزرتا تھا۔ ابھی اس نے بمشکل ایک فرلانگ فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک درخت کے پیچھے سے کوئی جانور جھپٹا اور عورت کو منہ میں دبا کر دوبارہ اسی جگہ غائب ہو گیا۔ عورت نے جان بچانے کی کوشش کی اور بستی والوں کو مدد کے لیے پکارا، لیکن بروقت کوئی آدمی وہاں نہ گیا۔ البتہ بہت سے لوگوں نے عورت کی چیخیں ضرور سنیں جو رات کے گہرے سناٹے کو چیرتی ہوئی ان کے کانوں تک پہنچ گئی تھیں۔ پندرہ بیس منٹ بعد چند آدمی ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں لیے وہاں پہنچے تو انہوں نے عورت کے کپڑوں کی دھجیاں ادھر ادھر جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی پائیں۔ کچھ فاصلے پر تازہ خون بھی بکھرا ہوا تھا لیکن لاش کا کہیں پتا نہ تھا۔

اگلے روز صبح سویرے بستی کے بہت سے آدمی جنگل میں لاش ڈھونڈنے نکلے، لیکن انہیں جلد معلوم ہو گیا کہ لاش کا ملنا دشوار ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ عورت کو درندے نے ہلاک کیا ہے اور اب وہ اسے ایسی جگہ گھسیٹ کر لے گیا تھا جہاں قد آدم اور نہایت گھنی خاردار جھاڑیاں کثرت سے تھیں۔ ان جھاڑیوں کے اندر گھسنا انسانوں کے بس کی بات نہ تھی، تاہم ان لوگوں نے سخت مشقت کے بعد کلہاڑیوں اور لمبے لمبے چاقوؤں کی مدد سے انہیں کاٹ کر راستہ بنایا اور

آخرکار لاش پا لینے میں کامیاب ہو گئے۔ سر ایک طرف پڑا تھا اور دھڑ کا آدھا حصہ درندہ ہڑپ کر چکا تھا۔ ابھی یہ لوگ بقیہ حصہ کپڑے میں باندھ ہی رہے تھے کہ سو گز کے فاصلے سے شیر کے غرانے کی آواز آئی۔ آدم خور کی آواز سنتے ہی یہ سب لوگ ڈر کر واپس گاؤں میں آ گئے اور جادوگر کو سارا قصہ سنایا۔ اس نے کیا جواب دیا، یہ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً اس کا جادو روز روز نہیں چلتا تھا۔

آہستہ آہستہ آدم خوروں نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں اور دو ہفتوں کے اندر اندر بارہ افراد ان کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ ایک رات پھر جادوگر نے الاؤ روشن کیا اور منتر پڑھے لیکن ساری رات گزر گئی کوئی درندہ نہ آیا۔ صبح کے وقت جب کہ تماشائی اونگھ رہے تھے اور جادوگر بھی تھک گیا تھا، قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر اور شیرنی دبے پاؤں نکلے اور جادوگر پر آن پڑے۔ اس سے پہلے کہ لوگوں کو کچھ پتا چلے دونوں درندوں نے جادوگر کو وہیں چیر پھاڑ کر برابر کر دیا اور اپنا اپنا حصہ منہ میں دبا کر جدھر سے آئے تھے ادھر چلے گئے۔ جادوگر کے مارے جانے سے لوگوں کے حوصلے بالکل پست ہو گئے اور انہوں نے وہاں سے چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔ بیس میل دور مشرق کی طرف ایک دریا بہتا تھا۔ ان لوگوں نے جن کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی، دریا عبور کیا اور ایک وادی کے اندر نئے سرے سے جھونپڑیاں بنا لیں۔ پرانی آبادی میں اب بھی ایک ڈیڑھ ہزار لوگ باقی تھے جن میں زیادہ تر عمر رسیدہ، بیمار اور ایسے افراد شامل تھے جو چل پھر نہیں سکتے تھے۔

روزانہ رات کو پانچوں درندے اکٹھے یا شیر سمیت بستی پر دھاوا بولتے، کسی نہ کسی جھونپڑی کو گرا کر اس میں گھس جاتے اور اپنا شکار پکڑ کر وہیں کھانا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ میں نے اونچے سے درخت پر رات کاٹنے کا فیصلہ کیا۔ مچان باندھنے کے لیے کوئی آدمی نہ ملا تھا۔ میں نے ایک مضبوط اور گھنی شاخ پر سرِشام ہی اپنا جما لیا۔ مجھے یقین تھا کہ درندے حسبِ معمول کے مطابق ادھر ضرور آئیں گے، لیکن ایسا نہ ہوا۔ انہوں نے مغرب کی طرف پانچ میل دور ایک دوسری بستی پر دھاوا بول دیا۔ پہلے مویشیوں پر حملہ کر کے تین چار کو مارا، پھر آدمیوں کی باری آئی۔ مجھے اگلے روز وہاں کے ایک باشندے نے بتایا:

"ان کی تعداد پانچ تھی۔ وہ سورج چھپنے کے تھوڑی ہی دیر بعد گاؤں کی طرف آئے۔ راہ میں مویشیوں کا باڑا تھا۔ انہوں نے پہلے چاروں طرف چکر لگایا۔ درندوں کو دیکھ کر جانوروں میں خوف و ہراس پھیل گیا، وہ باڑا توڑ کر باہر بھاگے اور درندوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں بستی کے دس بارہ آدمی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں دو شیروں اور دو شیرنیوں کے علاوہ پانچواں شیر اندھا ہے، وہ سب کے پیچھے تھا۔ درندوں نے ہمیں آتے دیکھا تو چھلانگیں لگاتے ہوئے ہماری طرف آئے، لیکن ہم درختوں پر چڑھ گئے، البتہ دو آدمی ان کے قابو میں آ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے درندوں نے انہیں ہلاک کر دیا۔ سب نے اطمینان سے پیٹ بھرا اور چلے گئے۔"

ان نازک حالات میں پانچ آدم خوروں کا مقابلہ کرنا اکیلے کے بس کی بات نہ تھی۔ میں نے اپنے بھائی جارج کو بلوایا جو ان دنوں سائیگون میں رہتا تھا۔ جارج کے آنے سے پہلے میں نے چام نامی ایک مقامی شکاری کی خدمات بھی حاصل کیں۔ چام، لمبا تڑنگا نہایت تجربہ کار، نڈر اور بہادر شکاری تھا۔ شیر کے ساتھ دست بدست جنگ میں وہ اپنا بایاں بازو گنوا چکا تھا لیکن قدرت نے اس کی تلافی یوں کی کہ دائیں ہاتھ میں بے پناہ قوت بھر دی۔ ایک لمبا، چمک دار پھل کا خنجر اس کی کمر میں ہر وقت بندھا رہتا اور اس خنجر سے اس نے نہ جانے کتنے درندے ہلاک کیے تھے۔ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر زخم کا نشان نہ ہو۔ چام میں ایک حیرت انگیز بات میں نے یہ دیکھی کہ اس کے اور شیر کے چہرے میں بڑی مشابہت تھی۔ اس کا بچپن اور جوانی افریقہ کے جنگلوں میں گزری تھی جہاں اسے ایک شخص اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہیں اس نے افریقی وحشیوں اور حبشیوں کی زبان سیکھی اور شکار کھیلنے کا قدیم فن حاصل کیا۔ وہ انگریزی بھی بول سکتا تھا۔ اس نے مجھے بہت سے انگریز آسٹریلین شکاریوں کی داستانیں سنائیں جن کی وہ افریقہ میں رہنمائی کر چکا تھا۔

تیسرے روز جارج آن پہنچا۔ اس کے ساتھ دو ملازم بھی تھے۔ اس دوران میں آدم خور مزید دو عورتوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ آدم خور شکار کی تلاش میں رات کے پچھلے پہر آتے۔ گاؤں کی ایک ایک جھونپڑی کا معائنہ کرتے۔ بانس کی بنی ہوئی جھونپڑیوں کو وہ

گھاس کے تنکے کھتے اور روندتے ہوئے نکل جاتے۔ ایک بڑی سی جھونپڑی میں، جس کے چاروں طرف موٹے بانسوں کی دیوار تھی، دونوں عورتیں سو رہی تھیں۔ آدم خوروں نے اس کا ایک چکر لگایا اور ایک جگہ زور لگا کر دیوار توڑ ڈالی۔ اب عورتیں بچ کر کہاں جا سکتی تھیں؟ شیروں نے انھیں دبوچ لیا اور معمول کے مطابق وہیں پیٹ بھر کر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ گئے۔

ہم نے اس جھونپڑی کے باہر پانچوں آدم خوروں کے نشان دیکھے۔ عورتوں کی اوجھڑیاں، بچا کھچا گوشت اور ہڈیاں بھی پڑی تھیں۔ یہ منظر اتنا دہشت انگیز تھا کہ جارج تھر تھر کانپنے لگا لیکن جام چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا، البتہ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی اور دایاں فولادی ہاتھ خنجر کے دستے پر مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ ہمیں بہت جلد پتا چل گیا کہ بستی ابھی پوری طرح خالی نہ تھی، بلکہ بہت سے مرد اور عورتیں یہاں موجود تھے۔ غالباً یہ بے چارے دریا تک جانے کی ہمت نہ کر سکتے تھے اور یہ جانتے کے باوجود کہ ایک روز آدم خوروں کا لقمہ بن جائیں گے، یہیں رہنے پر مجبور تھے۔ میں نے ان سب کو ایک بڑی سی جھونپڑی میں جمع کر دیا اور سمجھا دیا کہ کوئی شخص شام کے بعد باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ جھونپڑی کے چاروں طرف خشک گھاس اور لکڑیوں کے بڑے بڑے ڈھیر جمع کیے گئے اور سورج غروب ہوتے ہی انھیں آگ لگا دی گئی۔ اب آدم خور یہ آگ پھلانگ کر جھونپڑی کے اندر نہیں جا سکتے تھے۔ ہم نے اپنے لیے یہ انتظام کیا تھا کہ جھونپڑی سے دائیں بائیں پچاس پچاس فٹ کے فاصلے پر دو گڑھے کھدوائے۔ ان گڑھوں کی گہرائی پانچ فٹ اور لمبائی چھ فٹ تھی۔ ان کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں اس انداز میں پھیلا دی گئی تھیں کہ نزدیک سے دیکھنے پر بھی پتا نہ چل سکتا تھا کہ یہاں گڑھا ہوگا۔ دائیں گڑھے میں جارج اور اس کے دونوں ملازم اور بائیں گڑھے میں جام اور میں اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر بیٹھ گئے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ آدم خور آج رات دوبارہ ادھر آئیں گے۔

آگ کا الاؤ دھڑ دھڑ جل رہا تھا اور اس کے شعلوں کی سرخ روشنی میں دور کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ اردگرد کے درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے خاموش تھے، البتہ بہت دور سے کسی ریچھ کے چنگھاڑنے کی مدھم آواز کانوں میں آ رہی تھی۔ موتی گاؤں کے مغرب کی جانب ایک اور جنگل پر ریچھوں اور ہاتھیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ایک ہی جنگل میں ریچھوں اور ہاتھیوں کا گھل مل کر رہنا بڑی عجیب بات تھی، کیوں کہ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی ہاتھی نے ریچھ کو مارا ہو یا کسی ریچھ نے یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور جانے کی کوشش کی ہو۔ جام نے میرے کان میں کہا:

"آدم خوروں کے آنے سے پہلے آپ کو ایک واقعہ سناؤں جو ریچھ کی آواز سن کر مجھے یاد آیا۔ آپ شاید یقین نہ کریں، لیکن میں جو کچھ بیان کروں گا، اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔ ☆☆☆☆☆

حمد

زمین آسماں، چاند سورج ستارے
نظارے حسیں اور منظر یہ پیارے
چمن پھول خوش بو، گلابوں کے موسم
یہ دن بارشوں کے، سحابوں کے موسم
بہاروں کی شوخی، گلوں کی ادائیں
پرندوں کے نغمے، معطر ہوائیں
رواں دریاؤں کی کھلکھلاہٹ
رتوں کا تبسم، حسیں مسکراہٹ
اندھیرے اجالے، نباتات اور پھل
یہ دن رات سارے یہ سب آج اور کل
یہ تحفے ہیں انمول تیرے خدایا
تری رحمتیں ہیں، ترا ہم پہ سایہ

([illegible])

توکل

ایک دن حضرت حاتم اصمؒ نے اپنی بیوی سے فرمایا۔ ”میں چار مہینے کے لیے جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ کس قدر خرچ درکار ہوگا۔“
بیوی نے کہا۔ ”جس قدر میری زندگی ہے۔“
حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا۔ ”تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔“
بیوی نے کہا۔ ”پھر میری روزی بھی تمہارے ہاتھ میں نہیں۔“
آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ تو سچ کہتی ہے اور آپ جہاد کے لیے روانہ ہوگئے۔

([illegible])

اچھا انسان

علم کا شاہ کار ہو جاؤ
قوم کا افتخار ہو جاؤ
مفلسوں کی کرو مدد اتنی
مخلصوں میں شمار ہو جاؤ
اہل تقویٰ بھی تم پہ رشک کریں
ایسے پرہیزگار ہو جاؤ
اپنی خوئے خودی کرو بیدار
دوسروں پہ نہ بار ہو جاؤ
زہد و تقویٰ نہیں تو کچھ بھی نہیں
اہل ثروت ہزار ہو جاؤ
فانی دنیا پہ مت فدا ہو تم
دین کے جاں نثار ہو جاؤ
خار بغض و حسد سے بچ نکلو
یوں سراپا بہار ہو جاؤ
بندۂ نفس مت ہو اے اثر
عبد پروردگار ہو جاؤ

([illegible])

اقوال زریں

☆ توبہ کرنا آسان اور گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔
☆ کسی کا برا چاہنے والا کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔
☆ ہر حالت میں انصاف کرو۔
☆ علم ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت برستی ہے۔
☆ مایوسی موت کا دوسرا نام ہے۔
☆ مسکراہٹ راحت کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
☆ غرور سے آدمی کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔
☆ کم بولنا عقل مندی ہے۔

([illegible])

مبارک بادیں (فیض احمد فیض)

بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
اے نئے سال بتا تجھ میں نیا پن کیا ہے
ہر طرف خلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے
روشنی دن کی وہی، تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر بات وہی

آسماں بدلا ہے ، نہ بدلی ہے زمیں
اک ہندسے کا بدلا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری ، فروری اور مارچ میں ہو گی سردی
اپریل ، مئی اور جون میں ہو گی گرمی
تیرا من دہر میں کچھ کھونے کو کچھ پانے گا
میعاد اپنی بسر کر کے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح ، شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
کیا سبھی بھول گئے وقت کی کڑوی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر ، جہاں سے سب کی
فیض نے لکھی ہے ، یہ نظم نرالے ڈھب کی

(انتخاب: [illegible])

زم زم کا کنواں

زم زم کا کنواں چار ہزار سال پرانا ہے۔ اس کی ابتداء ایک چشمے سے ہوئی تھی۔ یہ 13 فٹ چوڑا، 110 فٹ گہرا ہے۔ ایک پاور فل الیکٹرک موٹر 8 ہزار فی سیکنڈ کے حساب سے اس میں سے 24 گھنٹے پانی کھینچتی ہے۔ پورا دن پانی پمپ کرنے کے بعد صرف 11 منٹ میں پانی لیول پر آ جاتا ہے۔ اس پانی کو آج تک کائی نہیں لگی اور نہ ہی اس پانی کا ذائقہ بدلا ہے۔ اس پانی کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ یہ پیاس اور بھوک دونوں کو کفایت کرتا ہے۔

احادیث

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

☆ کھانے کا گرا ہوا ٹکڑا دسترخوان سے اٹھا کر کھانا اولاد میں خوب صورتی، رزق میں برکت اور تکبر ختم کرتا ہے۔
☆ جس برتن کو ڈھکا نہ گیا ہو اس کا پانی نہ پیو۔
☆ رات کا کھانا نہ چھوڑو، چاہے مٹھی بھر ہی کیوں نہ ہو۔

(مصباح صدف [illegible]، جھنگ)

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

"ایک چور ایک پرہیزگار درویش کے گھر میں جا گھسا، ہر چند تلاش کیا کچھ نہ پایا۔ رنجیدہ ہوا اور ناامید ہو کر واپس جانے کا ارادہ کیا۔ فقیر کو خبر ہو گئی۔ جس کملی پر وہ سویا ہوا تھا وہ چور کے راستے میں ڈال دی تاکہ محروم نہ ہو جائے۔" اللہ والوں کے دل دشمنوں کے لیے بھی تنگ نہیں ہوتے۔ (ثانیہ ہاشم میہانی، [illegible]، قصور)

حضرت امام حسینؓ کی فراست

حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ کا آپس میں تکرار ہو گیا اور ایک دوسرے نے ملاقات میں تامل کیا۔ کسی نے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ اپنے بھائی امام حسنؓ کے پاس جا کر انہیں راضی کریں اور ان کی اچھی دل جوئی کریں کیوں کہ وہ آپؓ کے بڑے بھائی ہیں۔ امام حسینؓ نے فرمایا میں نے اپنے جد امجد سرور کائنات ﷺ سے سنا ہے کہ جن دو شخصوں میں مخاصمت ہو اور ان میں سے ایک دوسرے کو راضی کرے تو پہلے راضی کرنے والا جنت میں پہلے جائے گا اور میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی سے پہلے جنت میں جاؤں۔ امام حسنؓ کو یہ خبر ملی تو وہ امام حسینؓ کے پاس تشریف لائے اور ان کو راضی کیا۔ (محمد حامد رضا المصطفیٰ، چیچہ وطنی)

چند سنہری باتیں

☆ صبح جلد بیدار ہوں۔ ہاتھ منہ اور دانت روزانہ صاف کریں۔
☆ باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کی عادت اپنائیں۔ کچھ وقت تلاوت قرآن میں صرف کریں۔
☆ اپنے سے بڑی عمر کے ہر شخص، والدین اور اساتذہ کا احترام کریں۔
☆ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں۔
☆ اسکول جانے سے پہلے صاف ستھری یونی فارم پہنیں، ناشتا کریں اور اپنا اسکول بیگ چیک کریں۔
☆ گھر سے خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوں۔ پیدل چلنا ہو تو ہمیشہ سڑک کے کنارے چلیں۔
☆ سڑک دونوں طرف دیکھ کر احتیاط سے عبور کریں۔
☆ ہمیشہ سچ بولیں کسی کی غیبت نہ کریں۔ (مدیحہ [illegible]، گوجرانوالہ)

☆☆☆

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مال دار شخص اپنے زمین دار بھائی سے ملنے اس کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا ایک نوکر بھی اس کے ساتھ تھا جو بہت چالاک، مکار اور عیار تھا۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب سفر کے لیے گاڑیاں میسر نہ تھیں اور لوگ پیدل یا گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ اس شخص کے بھائی کا گاؤں قریب ہی تھا اس لیے وہ پیدل ہی اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔ چلنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی کے لیے تحفے کے طور پر لال لال میٹھے سیبوں کی ایک ٹوکری خریدی اور اسے اپنے نوکر کے سر پر رکھ کر اسے اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ مالک چوں کہ اپنے نوکر کی عادتوں سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے اسے کہنے لگا۔

"یاد رکھنا میرے سر کے پیچھے بھی دو آنکھیں ہیں۔ یوں سمجھو میں تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ اس لیے ٹوکری سے سیب نکال کر کھانے کی غلطی نہ کرنا۔"

نوکر سیبوں کی ٹوکری سر پر رکھے مالک کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب اس کا جی چاہتا وہ ہاتھ بڑھا کر سر پر رکھی ٹوکری سے ایک سیب نکالتا، اسے اپنے مالک کے سر کے پیچھے یوں لہراتا جیسے کسی کو دکھا رہا ہو اور پھر کھا جاتا۔ اس طرح جلد ہی اس لالچی نوکر نے سارے سیب کھا لیے۔

سفر کرتے کرتے تھک کر وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ بعد میں مالک کو علم ہوا کہ سیبوں کی ساری ٹوکری خالی ہو چکی ہے۔ یہ دیکھتے ہی وہ غصے میں آ گیا اور نوکر سے کہنے لگا۔

"بے ایمان تم نے سارے سیب کھا لیے میں نے تمھیں منع بھی کیا تھا۔"

"مگر مالک! میں نے یہ سارے سیب آپ کی اجازت سے ہی کھائے ہیں۔" نوکر منمنایا۔

"میں نے تمھیں کب اجازت دی؟" مالک نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ کے سر کے پیچھے بھی آنکھیں ہیں اس لیے میں ہر سیب کھانے سے پہلے ان آنکھوں کو دکھا دیتا تھا۔ اس وقت تو آپ نے منع نہیں کیا۔" چالاک نوکر نے مالک کو لاجواب کر دیا۔

مالک کوئی جواب نہ دے پایا تو کہنے لگا۔ "مجھے تیز بھوک محسوس ہو رہی ہے اس لیے جلدی سے کھانا نکالو اور اسے آگ پر گرم کرو۔"

نوکر نے ادھر اُدھر سے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور کھانا گرم کرنے لگا۔ یہ شوربے میں پکی ہوئی مچھلیاں تھیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو مالک ایک چھوٹی سی مچھلی اٹھا کر نوکر کی تھالی میں

رکھتے ہوئے بولا۔ "لو یہ تم کھالو۔"

لالچی نوکر نے مالک کی تھالی کی طرف دیکھا جو مچھلیوں سے بھری پڑی تھی۔ وہ مالک سے پوچھنے لگا۔ "مالک ——— تھوڑے سے پانی میں مچھلی تیر تو نہیں سکتی نا؟"

"نہیں۔" مالک نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے یہ میری مچھلی بھی اپنی تھالی میں رکھ لیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی مچھلی بھی مالک کی تھالی میں رکھ دی اور دونوں ہاتھوں سے کھانے لگا۔ مالک کو بہت غصہ آیا اور وہ غصے سے چلایا۔ "ارے بے وقوف یہ تم نے کیا کیا؟"

نوکر کچھ نہ بولا اور کھانا کھاتا رہا۔ ابھی مالک نے تھوڑا ہی کھایا تھا کہ نوکر سارا کھانا چٹ کر گیا۔ مالک منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ نوکر کا تو پیٹ بھرا ہوا تھا مگر مالک بھوکے پیٹ تھا اس لیے اس سے چلا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ ہمت کر کے چلتا رہا مگر پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سامنے ہی ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے نوکر سے کہنے لگا۔

"اس گاؤں میں ضرور کوئی تنور ہوگا۔ بھاگ کر جاؤ اور وہاں سے میرے کھانے کے لیے کچھ لے آؤ تاکہ میں کھا پی کر دوبارہ سفر کر سکوں۔"

نوکر گیا اور گاؤں کے تنور سے کھانا لیا اور واپس آ گیا مگر اس نے اس کھانے میں بہت زیادہ مرچیں ملا دیں۔ جب مالک نے پہلا نوالہ منہ میں رکھا تو تیز مرچ کی وجہ سے اس کا منہ جل گیا۔ وہ نوکر کو برا بھلا کہنے لگا مگر پھر ہمت کر کے جیسے تیسے کھا لیا کیوں کہ اسے تیز بھوک لگ رہی تھی۔ مگر اب وہ نوکر کو اس کی چالاکی کا مزا چکھانا چاہتا تھا۔

جلد ہی مالک کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس چھوٹے سے گاؤں کے ساتھ ہی آگے تھوڑے ایک بڑا گاؤں تھا وہاں کا چوہدری مالک کا پرانا دوست تھا۔ اس لیے اس نے گاؤں کے چوہدری کے نام ایک رقعہ لکھا کہ جو شخص یہ رقعہ لے کر آئے اس کی اچھی مرمت کرو۔ اتنا مارو کہ یہ ساری چالاکی بھول جائے۔ پھر یہ کاغذ تہہ کر کے نوکر کے حوالے کیا اور بولا۔ "اس گاؤں کا چوہدری میرا دوست ہے تم یہ رقعہ اس تک پہنچاؤ وہ پھر وہ جو کچھ دے وہ لے کر میرے پاس واپس آ جاؤ۔"

مالک کا خیال تھا کہ لالچی نوکر چیز کے لالچ میں ہر کام کرے گا۔ نوکر رقعہ لے کر چوہدری کی حویلی کی جانب چل پڑا چوں کہ وہ ان پڑھ تھا اس لیے اسے علم نہیں تھا کہ اس رقعے میں کیا لکھا ہے مگر وہ چالاک بہت تھا۔ کچھ دور اسے ایک ڈاکیا آتا نظر آیا تو اس نے اسے روک لیا اور کہنے لگا۔

"بھائی ذرا یہ رقعہ پڑھ کر سنا دو اس میں کیا لکھا ہے؟" ڈاکیے نے رقعہ پڑھا اور نوکر کو سب بتا دیا کہ رقعے میں کیا لکھا ہے۔

یہ بات سنتے ہی نوکر کے ہاتھوں کے تو طوطے اڑ گئے اور وہ ڈاکیے کی منت سماجت کرنے لگا۔ "ارے بھائی میں جلدی میں غلط رقعہ اٹھا لایا ہوں۔ اب اتنا وقت نہیں کہ واپس جا کر درست رقعہ لے کر آؤں اس لیے تم جلدی سے مجھے دوسرا رقعہ لکھ دو۔ تمہارا بہت بھلا ہوگا۔"

اس کے رونے پیٹنے پر ڈاکیا پسیج گیا اور اس نے نوکر کے کہنے پر اس کے مطابق ایک نیا رقعہ لکھ کر دے دیا جسے لے کر وہ چوہدری کے پاس پہنچ گیا۔ چوہدری نے رقعہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا کہ جو یہ رقعہ لے کر آئے اسے سونے کی اشرفیوں سے بھری دس تھیلیاں دے دو میں تمہیں بعد میں واپس کر دوں گا۔ چوہدری یہ پڑھ کر حیران تو ہوا مگر پھر اس نے یہ ساری رقم نوکر کے حوالے کر دی جسے لے کر وہ فوراً ہی وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

جب کافی دیر گزر گئی تو مالک نے سوچا اب تو نوکر کی خوب مرمت ہو چکی ہوگی اور اسے اپنی چالاکی کا اچھا سبق مل چکا ہوگا۔ وہ اٹھا اور چوہدری کی حویلی پہنچ گیا اور چوہدری سے پوچھنے لگا۔

"کیا تمہیں میرا رقعہ مل گیا؟"

"مل گیا تھا اور میں نے اس پر عمل بھی کر دیا۔" چوہدری نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے اس کی خوب مرمت کی۔" مالک نے خوش ہو کر پوچھا۔

"مرمت ——— کیسی مرمت ——— میں نے تو اس کو تین ہزار سونے کی اشرفیاں دے دیں۔ جیسا کہ تم نے لکھا تھا۔" چوہدری نے حیران ہو کر جواب دیا۔

مالک حیرت سے اچھل پڑا۔ "میں نے یہ تو نہیں لکھا تھا۔"

چوہدری نے مالک کو اس کا لکھا ہوا رقعہ دکھایا جو نوکر نے راستے میں ڈاکیے سے لکھوا لیا تھا۔ اسے دیکھ کر مالک نے اپنا سر پیٹ لیا۔ نوکر ایک دفعہ پھر اپنی چالاکی سے اسے چکمہ دے گیا تھا۔

☆☆☆

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا لقب کیا تھا؟

i۔ غنی الخیر ii۔ صاحب الوسادۃ iii۔ سلطان الفقر

2۔ پانی اور کلورک ایسڈ کس تیزاب کا کیمیائی نام ہے؟

i۔ گندھک کا تیزاب ii۔ نمک کا تیزاب iii۔ شورے کا تیزاب

3۔ علامہ اقبال کا شعر مکمل کیجیے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

____

4۔ ابن الہیثم کہاں پیدا ہوئے؟

i۔ حلب ii۔ بصرہ iii۔ موصل

5۔ وکٹوریہ جھیل کی بلندی کتنی ہے؟

i۔ 350 فٹ ii۔ 355 فٹ iii۔ 360 فٹ

6۔ ہندوستان میں سب سے پہلے توپ کا استعمال کس بادشاہ نے کیا؟

i۔ ظہیر الدین بابر ii۔ فیروز شاہ تغلق iii۔ قطب الدین ایبک

7۔ دنیا میں سب سے پہلے ایٹم بم کس شہر پر گرایا گیا؟

i۔ ناگاساکی ii۔ ہیروشیما iii۔ اوساکا

8۔ کون سا فلاسفر اور مفکر محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور ہندوستان پر ایک کتاب لکھی؟

i۔ الطبری ii۔ ابو ریحان البیرونی iii۔ موسیٰ خوارزمی

9۔ ٹینس بال کا آغاز کہاں سے ہوا؟

i۔ امریکہ ii۔ انگلینڈ iii۔ فرانس

10۔ پاکستان کا سب سے قدیم شہر کون سا ہے؟

i۔ لاہور ii۔ ملتان iii۔ پشاور

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2017ء

1۔ جمعہ کے دن 2۔ محمدؐ 3۔ چودہ ٹکڑے 4۔ جابر بن حیان 5۔ ہاشم 6۔ گاڑھا ملا پا گوا 7۔ قائداعظمؒ 8۔ 400 ہجری 9۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں 10۔ مردان

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ عون اللہ ورک، لاہور (150 روپے کی کتب)

☆ محمد فرخ زمان، اوکاڑہ (100 روپے کی کتب)

☆ عروبہ امین، کراچی (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام، جو بذریعہ قرعہ اندازی: شاہ زیب احمد، راول پنڈی۔ محمد سمیر سلیم، کراچی۔ [illegible]

[illegible]

ویلوچیا

ویلوچیا (Welwitschia) ایک بیج پیدا کرنے والا پودا ہے۔ اس کا تعلق جمنو سپرمز (Gymnosperms) گروپ سے ہے۔ اس پودے کو "Tree Tumbo" بھی پکارا جاتا ہے۔ عربی میں

اس پودے کو "مطنطیا" اور فارسی میں "ویلوچیا" کہتے ہیں۔ یہ پودا افریقی ممالک میں ملتا ہے۔ اس کا نام آسٹریا کے ایک ماہر نباتات "Friedrich Welwitsch" کے نام پر رکھا گیا۔ کیوں کہ سب سے پہلے اسی نے 1859ء میں بیان کیا۔ یہ پودا دو بڑے پتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب کہ تنا چھوٹا اور لکڑی کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے۔ نر اور مادہ پودے الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس پودے پر کونز (Cones) لگتی ہیں۔ یہ پودا ہزار سال سے زائد عرصے تک زندہ رہتا ہے۔ زیبرا، گینڈے اور اونٹ اسے بہ طور غذا کھاتے ہیں۔ اس کا پورا نام "Welwitschia Mirabilis" ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عجیب و غریب پودوں میں کیا جاتا ہے۔

جارجیا کا پرچم

مغربی ایشیاء اور مشرقی یورپ کے سنگم پر موجود ملک کا نام جارجیا (Georgia) ہے۔ اس ملک کے مشرقی جانب آذربائیجان، مغرب میں سمندر (بحیرۂ اسود) شمال میں روس اور جنوب میں ترکی اور آرمینیا ہیں۔ روس سے 25 دسمبر 1991ء میں آزاد ہونے والے اس ملک کی سرکاری زبان جارجئی ہے۔ اس کا رقبہ 69700 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں کا سکہ لیرا کہلاتا ہے۔ اس

ملک کے پرچم کو روسی قبضے سے آزادی کے بعد 25 جنوری 2004ء میں باضابطہ طور پر اختیار کیا گیا۔ جارجیا کے قومی پرچم کو "Five Cross Flag" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مستطیل شکل کا سفید رنگ کا جھنڈا ہے۔ جس پر درمیان میں سرخ رنگ کا کراس (Cross) بنا ہے۔ یہ کراس پورے پرچم پر بنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جھنڈے کے چاروں اطراف میں چھوٹے کراس بنے ہیں۔ یہ بھی سرخ رنگت کے ہیں۔ انہیں Bolnisi کراس کہتے ہیں جو ایک گرجا گھر "Bolnisi Sioni Church" کے ایک پتھر سے لیے گئے ہیں۔ اسی لیے یہ علامت کے طور پر کراس بنے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو مصلوب کرتے وقت 5 مقدس زخم لگے تھے۔ جارجیا کا دارالحکومت تبلیسی (Tbilisi) ہے۔ جہاں پارلیمنٹ پر قومی پرچم لہراتا رہتا ہے۔

شیروانی

شیروانی ایک لباس ہے جسے بانئ پاکستان حضرت محمد علی جناح نے اکثر استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر حکمران اور اسمبلی ممبران اس لباس کو پہن کر فخر کرتے ہیں۔ یہ ایک لمبے کوٹ کی طرح ہوتی ہے۔ جسے شلوار قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان وغیرہ کے علاقوں میں بھی اسے پہنا جاتا ہے۔ اس لباس کی ابتداء 19ویں صدی میں برصغیر سے ہوئی۔ اسے شرفاء اور علماء نے زیب تن کر کے عروج بخشا۔ آج کل تقریبات اور شادیوں میں بھی چھوٹے بڑے شیروانی پہن کر منفرد دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیروانی کی تیاری اور کپڑے کا انتخاب بھی مہارت کا

کام ہے۔ اس کا کاریگر چیٹڈ کہلاتا ہے۔ اس لباس میں پورے بازو اور 8 سے 12 تک مختلف ڈیزائن اور رنگت کے بٹن استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے کپڑے اور سلائی کے بعد 10 ہزار سے ڈھائی لاکھ (2,50,000) روپے تک خرچ آتا ہے۔ عام شیروانی کے مقابلے میں دولہے کی شیروانی خاصی مہنگی اور خوب صورت ہوتی ہے کیوں کہ اس پر کڑھائی کا خصوصی کام بھی کیا جاتا ہے۔ خیال ہے کہ آذربائیجان کے پاس علاقے شرواں سے یہ لفظ نکلا ہے۔ شرواں درحقیقت نوشرواں بادشاہ سے لیا گیا ہے۔ اس وقت کے لوگ خاص کر مسلمان شیروانی سے ملتا جلتا لباس زیب تن کرتے تھے۔

ہیمر تھرو

نیزہ بازی، گولہ پھینکنا وغیرہ کی طرح ہیمر تھرو Hammer Throw بھی ایک کھیل ہے۔ جس میں دھاتی (Metal) گولہ جو ایک اسٹیل کی ڈوری سے جڑا ہوتا ہے۔ اس گولے کی زنانہ اور مردانہ مقابلوں میں جسامت مختلف ہوتی ہے۔ اولمپک کھیلوں میں اس کا شمار قدیم ترین ایونٹ میں ہوتا ہے۔ 1900ء میں فرانس کے شہر پیرس(Paris) کے اولمپکس مقابلوں میں بھی یہ کھیل شامل تھا۔ اسٹیل کی ڈوری کو گھما کر مرد حضرات 16 پاؤنڈ (تقریباً

7.26 کلو) جب کہ خواتین 8.82 پاؤنڈ (4 کلو کے لگ بھگ) وزن کا دھاتی گولہ دور تک پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مردانہ کھیل میں گولے کا سائز 121.3 سینٹی میٹر جب کہ خواتین کے لیے اس گولے کا سائز 119.4 سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ خواتین میں دور تک گولہ پھینکنے کا ریکارڈ "Anita Wlodarizk" کا ہے جنھوں نے اگست 2016ء میں 82.98 میٹر دور ہیمر تھرو کا ورلڈ ریکارڈ بنایا۔ اس خاتون کا تعلق پولینڈ سے ہے۔ جب کہ مردوں میں ورلڈ ریکارڈ روس کے "Yurly Sedykh" کے پاس ہے جنھوں نے 86.74 میٹر دور تک ہیمر تھرو کیا۔ انہوں نے یہ ریکارڈ 1986ء میں قائم کیا۔ پاکستان میں بھی یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ☆☆☆

رنگ بھریے

یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔
آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور نشان لگائیے۔

بیٹا! "یہ تم بلب اٹھا کر سر پر کیوں رگڑ رہے ہو؟" امی نے حیرت سے پوچھا۔

منا: "آج استاد صاحب نے کہا ہے کہ ۔۔۔ اپنا دماغ روشن کرو۔"

(طوبیٰ اویس احمد، مظفر آباد)

پوتے نے پوچھا: "دادا جان آج آپ بڑے خوش نظر آ رہے ہیں؟" دادا جان نے جواب دیا۔ "جب میں تمہاری عمر کا تھا تو میں نے تعلیم و تربیت میں ایک کہانی بھیجی تھی جواب شائع ہو گئی ہے۔"

☆

نانی جان (شگفتہ سے): "تم اتنی شرارتیں کرتی ہو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے؟"

شگفتہ: "صرف دو کلو جلیبیاں دے کر کمرے میں بند کر دیں۔"

(ایمن اعجاز، صوابی)

ایک کلاس ٹیچر نے بچوں کے ذہنی آزمائش کے لیے پوچھا۔ "سوچ اور وہم میں کیا فرق ہے؟"

ایک بچے نے کھڑے ہو کر کہا۔ "آپ جو ہم کو پڑھا رہے ہیں وہ سوچ ہے لیکن ہم سب پڑھ رہے ہیں یہ آپ کا وہم ہے۔"

(طلحہٰ جبار گھمن، ڈیرہ غازی خان)

بچہ: "ابا جان! دریائے نیل کہاں ہے؟"

باپ نے اخبار پڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "بھئی اپنی ماں سے معلوم کرو۔ وہی چیزیں ادھر ادھر رکھ دیتی ہے۔"

☆

ماں (بیٹے سے): "آج تم نے بڑا اچھا کیا کہ سنگترے اور مونگ پھلی کے چھلکے بس کے اندر نہیں پھینکے۔ آخر تم نے ان کا کیا کیا؟"

بیٹا: "میں نے چپکے سے پاس بیٹھے آدمی کی جیب میں ڈال دیے۔"

(محمد عمر فاروق، ملتان)

ایک شخص نے اپنے دوست کو اپنے گھر کی دسویں منزل پر دعوت پر بلایا۔

اگلے دن جب اس کا دوست بڑی مشکل سے ہانپتا کانپتا سیڑھیاں چڑھتا ہوا پہنچا تو دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ "دیکھا! میں نے تمہیں بے وقوف بنا دیا۔" اس کے دوست نے غصے میں وہاں لکھ دیا۔ "میں تو یہاں آیا ہی نہیں۔" (ورارجمان، ہنگو)

ایک بوڑھے شخص نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک لڑکا باہر آیا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو یوں ہوئی۔

بوڑھا: "بیٹا! تمہارے ابو گھر پر ہیں؟"

بچہ: "جی نہیں! وہ دفتر گئے ہیں۔"

بوڑھا: "اچھا امی تو ہوں گی؟"

بچہ: "وہ پڑوسن کے گھر گئی ہیں۔"

بوڑھا (کچھ غصے سے): "تو کوئی بڑا بھائی ہوگا؟"

بچہ: "وہ کالج گئے ہیں۔"

بوڑھا: "تو کوئی بڑی بہن بھی ہوگی؟"

بچہ: "جناب! وہ سہیلی کے گھر گئی ہیں۔"

بوڑھا (مزید غصے سے): "تو تم گھر میں کیا کر رہے ہو؟"

بچہ (معصومیت سے): "میں بھی اپنے دوست کے گھر آیا ہوں۔"

(علیم نوید، لاہور)

ایک آقا نے باغ میں مٹی کا ایک ڈھیر دیکھ کر اپنے نوکروں سے کہا: "ایک گڑھا کھود کر اس مٹی کو دبا دو۔"

نوکروں نے کہا۔ "تو پھر اس گڑھے کی مٹی کہاں جائے گی؟" آقا نے جواب دیا۔ "کتنے احمق ہو۔ اس کے لیے ایک اور گڑھا کھود لینا۔"

☆

اُستاد: "پیارے بچو! تمہیں کون سی چیز میرا ادب کرنے پر مجبور کرتی ہے؟"

لڑکے: "جناب، چھڑی۔"

(احمد کامران، لاہور)

☆☆☆

میری زندگی کے مقاصد

ہلو میاں اسکول سے گھر آئے تو روز کی طرح سویٹر آستینوں کے ذریعے ان کے گلے میں بندھا ہوا تھا۔ جسے انہوں نے کندھے سے اتار کر صوفے پر اچھال دیا تھا۔ امی جان جو وہیں لاؤنج میں بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں، ہلو میاں کو اس طرح بے دردی سے سویٹر پھینکتا دیکھ کر سخت غصے میں آ گئیں اور ہلو میاں کو انتہائی طیش کے عالم میں مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔ "ہلو! میں نے آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ سویٹر کو اس طرح توڑ مروڑ کر نہیں پھینکا کرتے۔ اس کے ریشے خراب ہو جاتے ہیں۔ ہاں تو آپ کو سویٹر اتارنا ہی نہیں چاہیے آپ کو سردی لگ سکتی ہے اور آپ بیمار ہو سکتے ہیں۔ آج تو سردی بھی زیادہ ہے۔ کیسی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔"

"اف سردی...... سردی، سردی! زہر لگتی ہیں مجھے یہ سردیاں۔ اتنے سارے موٹے موٹے کپڑے پہنو۔ اوپر سے شام میں باہر جانا بند، آئس کریم بند۔" ہلو میاں، امی کی سننے کے بجائے اپنی ہی کہنے لگے تو وہ ان کی چیزیں سمیٹتے ہوئے، بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئیں کہ اب وہ ہلو میاں کی شکایت ان کے ابا جان سے کریں گی۔ مگر ہلو میاں نے اپنی لاپرواہ طبیعت کے باعث اس تنبیہ کو بھی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا اور خود تیز پنکھا چلا کر، کارٹون دیکھنے بیٹھ گئے۔

ہلو میاں کے دادا جان جو وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کافی دیر سے خاموشی سے بہو اور پوتے کی گفتگو سن رہے تھے کیوں کہ دو لوگوں کے درمیان بولنا ان کے نزدیک ایک غیر شائستہ حرکت تھی لہٰذا انہوں نے درمیان میں کسی کو بھی نہیں ٹوکا مگر اندر ہی اندر وہ خائف تھے کہ ہلو میاں تو بچے تھے اگر ان کا رویہ اور سوچ کسی غلط نظریے اور منفی عمل کو ہوا دے رہا تھا تو بہ طور ماں، بہو بیگم کو مضبوط اور ٹھوس دلائل کے ذریعے ہلو میاں کا قبلہ درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی نہ کہ انہیں بے جا سختی اور مخالفت سے مزید بدظن کر دیا جاتا۔ بہرکیف، دادا جان نے گھر کے بڑے اور بزرگ ہونے کے ناتے یہ ذمہ داری خود اٹھانے کا فیصلہ کیا اور دل میں عہد کیا کہ آج رات جب ہلو میاں ان کے پاس کہانی سننے کے لیے آئیں گے تو وہ ان کے ذہن میں موجود بے جا منفی سوچوں کا خاتمہ کر کے ہی رہیں گے اور ساتھ ہی سہ پہر کی چائے کے وقت بہو بیگم کو بھی تحمل اور خلق سے کام لینے کی تلقین کریں گے۔ انہوں نے کن اکھیوں سے کارٹون میں گم ہلو میاں اور سامنے باورچی خانے میں روٹی ڈالتی ہوئی بہو بیگم کو دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر اخبار میں گم ہو گئے اور پھر جب ہلو کی امی شام میں معمول کے مطابق چائے لے کر دادا

جان کے پاس آئیں تو دادا جان نے انہیں کچھ دیر اپنے پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔ ''جی ابا حضور! کہیے آپ کچھ بات کرنا چاہ رہے تھے؟'' امی جان نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ان سے پوچھا تو وہ بولے۔

''ہاں بہو! دراصل میں بلو میاں کے ساتھ تمہارے رویے کے حوالے سے کچھ فکر مند ہوں۔ بیٹی! بچے نادان اور ناسمجھ ہوتے ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ اگر وہ کوئی غلط نظریہ اپنا لیں تو محبت اور پیار کے ساتھ انہیں صحیح اور غلط کا فرق بتایا جائے اور منفی سوچ کو ختم کیا جائے۔ اب جیسے وہ یہ ہیں تم بلو میاں کو سمجھانے یہ کہنے کو تم ان کی شکایت کرو گی انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ آخر تم انہیں سویٹر پہننے کی تاکید کیوں کرتی ہو یا یہ کہ اس طرح اللہ اور اس کی بنائی ہوئی چیزوں اور اس کے کاموں اور نظام کو برا بھلا کہنا غلط ہے اور یہ کہ کائنات ایک نظام سے چلتی ہے تو کیا یہ زیادہ مناسب نہ ہوتا؟''

دادا جان نے تفصیل سے کہتے ہوئے بہو کی طرف دیکھا تو انہوں نے شرمندگی سے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا۔ ''آپ نے بالکل بجا فرمایا۔ مگر میں خود سمجھ نہیں پا رہی کہ آخر بلو میاں کی اس چڑچڑاہٹ کی وجہ کیا ہے اور اس حوالے سے انہیں کس طرح سمجھایا جائے۔''

''بہو! تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ تم صرف یوں کرنا کہ آج جب بچے کہانی سننے آئیں تو تم کسی بہانے سے ساتھ آجانا۔ اب تم جاؤ۔ تمہیں رات کے کھانے کی تیاری بھی کرنا ہوگی۔'' دادا جان نے بلو میاں کی امی پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور پھر خود کتاب کھول کر پڑھنے لگے تو ان کی بہو خالی کپ اٹھا کر باہر چلی گئیں۔ پھر روز کی طرح جب بلو میاں اپنی چھوٹی بہن گڑیا کے ہمراہ دادا جان کے کمرے میں گئے تو ان کی امی بھی ان کے پیچھے چلی آئیں۔

''ابا حضور! بلو میاں بتاتے ہیں کہ آپ بڑے مزے مزے کی کہانیاں سناتے ہیں تو آج میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی کہانی سنوں اور اپنے بچپن کی یادیں تازہ کروں۔''

''ضرور یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ آج کہانی سننے کے بجائے ہم ایک چھوٹا سا کھیل کھیلیں۔''

''واہ دادا جان پھر تو مزہ آئے گا۔ بتائیے ہم کون سا کھیل کھیلنے جا رہے ہیں؟'' گڑیا نے تالی بجاتے ہوئے پوچھا۔ ''بیٹا! یہ ذہنی آزمائش کا کھیل ہے۔ اس سے پتا چلے گا کہ آپ دونوں میں سے کس کے پاس زیادہ اور جامع معلومات ہیں اور جو زیادہ ذہین ثابت ہوگا اسے انعام کے طور پر جیومیٹری بکس دیا جائے گا۔ اس مقابلے کی جج آپ کی امی ہوں گی جو صحیح اور غلط جوابات کی تعداد کی بنیاد پر فیصلہ سنائیں گی اور میں آپ سے سوالات کروں گا۔ تو کیا خیال ہے؟ کھیل شروع کیا جائے۔'' دادا جان نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل دادا جان اور آپ دیکھئے گا یہ مقابلہ میں ہی جیتوں گا۔'' بلو میاں نے پرجوش لہجے میں کہا تو اس کی بات سن کر گڑیا بولی۔ ''بھائی جان یہ مقابلہ وہی جیتے گا جو اپنی ذہانت ثابت کر دے گا۔'' گڑیا کا کہنے کا انداز دیکھ کر امی اور دادا جان دونوں مسکرانے لگے۔ پھر دادا جان مقابلے کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے۔

''اچھا تو پہلا سوال یہ ہے بتائیں کہ کینو اور موسمی جیسے رسیلے پھل سردیوں میں ہی کیوں آتے ہیں جب کہ ٹھنڈی ٹھنڈی رسیلی چیزیں گرمیوں میں خوب مزہ دیتی ہیں؟''

''دادا جان میں بتاؤں۔'' گڑیا نے فوراً ہاتھ کھڑا کیا۔ ''جی گڑیا بیٹا۔'' دادا جان سمیت سب مکمل طور پر گڑیا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''دادا جان کینو اور موسمی جیسے رسیلے پھلوں میں حیاتین ج جسے انگریزی میں وٹامن سی کہتے ہیں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ جو انسان کی قوت مدافعت بڑھانے کے ساتھ ساتھ نزلہ و زکام سے تحفظ اور خاتمے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے کیوں کہ سردیوں میں عموماً نزلہ کے باعث ان امراض میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

''بالکل ٹھیک جواب دیا گڑیا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی بنائی ہر شے اور اللہ کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے۔'' دادا جان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ پھر بولے۔ ''اچھا بچو! اب دوسرا سوال یہ ہے کہ کون سے میوے کی شکل انسانی عضو سے ملتی جلتی ہے؟''

''دادا جان اس کا جواب مجھے معلوم ہے۔'' اس بار بلو میاں نے ہاتھ کھڑا کیا تو سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''بتاؤ بیٹا۔'' امی نے کہا۔

''امی جان اخروٹ کی گری کی شکل انسانی دماغ سے ملتی ہے۔'' بلو میاں نے جواب دیا تو امی نے انہیں شاباشی دیتے ہوئے کہا۔ ''بالکل ٹھیک بیٹا۔ اسی لیے خاص طور پر اخروٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دماغی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے۔''

"اچھا بچو! اب میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ کون سا میوہ چھل سے بنتا ہے؟"

اس بار بلو میاں نے دوبارہ ہاتھ کھڑا کیا تو دادا جان نے سر ہلا کر انہیں جواب دینے کی اجازت دی تو بلو میاں بولے۔ "دادا جان کشمش اور خوبانی وہ میوے ہیں جو پھلوں کی خشک شکل ہیں۔"

"شاباش بیٹا! اور تمہیں پتا ہے کہ کشمش بھی یادداشت کو تیز کرتی ہے اور خوبانی صحت کے لیے مفید ہے۔" امی نے ایک بار پھر انہیں شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم سارے ہی میوے صحت کے لیے کسی نہ کسی طرح مفید ہیں۔ ارے ہاں مجھے یاد آیا میرے دوست نے کوئٹہ سے میوے بطور سوغات بھجوائے ہیں۔ ذرا الماری سے پیکٹ تو نکال کر لاؤ۔ موسم سرما میں میوے خاص طور پر گرم گرم مونگ پھلی اور چلغوزے کھانے کا تو مزہ ہی الگ ہے۔"

دادا جان نے امی سے کہا تو وہ میوے کا پیکٹ نکال کر لائیں اور تھوڑا سا میوہ پلیٹ میں ڈال کر دادا جان کے سامنے رکھ دیا۔ دادا جان نے دونوں بچوں کو تھوڑا تھوڑا میوہ ہتھیلی میں دیا اور خود بھی کھانے لگے اور بہو کو بھی لینے کا اشارہ کیا۔ بچے چلغوزے، کاجو، بادام، پستے اور خوبانی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور تھوڑا تھوڑا کھانے لگے۔

"چلو بچو! اب اگلے سوال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب چوتھا سوال یہ ہے کہ سورج کے کوئی سے تین فائدے بتاؤ؟" دادا جان نے کاجو کے چند دانے منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا تو چند لمحوں بعد گڑیا نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ "میں بتاتی ہوں دادا جان۔ سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ سورج سے نکلنے والی روشنی ہماری زمین کو بھی روشن رکھتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سورج سے حاصل ہونے والی توانائی جسے ہم شمسی توانائی کہتے ہیں، بجلی کی تحصیل کے بطور ایندھن کے نعم البدل کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ جیسا کہ شمسی توانائی سے چلنے والی گاڑیاں بنائی جا رہی ہیں اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سورج سے پیدا ہونے والی حرارت سے جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر موسم سرما میں سورج ہمیں گرمی اور توانائی فراہم کرنے کا سبب بنتا ہے۔" گڑیا نے تفصیلاً اور مدلل انداز میں جواب دیا۔ امی نے اٹھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ "شاباش بیٹا! مجھے خوشی ہے کہ تم لوگ اپنی تعلیم دل لگا کر حاصل کر رہے ہو۔ اسی لیے تمہیں ہر شے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہیں۔"

"ہاں بچو! واقعی تم لوگوں نے اپنی ذہانت ثابت کی ہے مگر اس کا سبب تم لوگوں کا مطالعہ بھی ہے اسی لیے میں تمہیں غیر نصابی کتب پڑھنے کی تاکید بھی کرتا ہوں۔ اور ہاں بچو! اب جو ذکر نکلا ہے تو میں یہاں بتاتا چلوں کہ سورج سے ہمیں وافر مقدار میں وٹامن ڈی بھی حاصل ہوتا ہے جو ہڈیوں کی مضبوطی اور طاقت کے لیے بے حد ضروری ہے۔ گرمی میں تو ہم سورج کے سامنے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے مگر موسم سرما میں دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ بھرپور فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ بلو بیٹا! اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوتی ہے۔ ہم گرمیوں میں دھوپ میں نہیں بیٹھ سکتے، میوے پھلوں کا مزہ نہیں لے سکتے اور گاجر کا حلوہ جو آپ کو بہت پسند ہے نہیں کھا سکتے۔ یہ سب موسم سرما کی سوغاتیں اور نعمتیں ہیں۔ اس لیے بیٹا کسی چیز سے بے جا حد تک نفرت رکھنا اچھا نہیں۔ ہر شے اور بات کے مثبت اور منفی پہلو دونوں دیکھنے چاہئیں۔" دادا جان نے بلو کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا کیوں کہ وہ دادا جان کا اشارہ سمجھ چکے تھے۔ جب دادا جان نے ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے مقابلے کے نتائج سنانے کا اعلان کیا تو دونوں بچے پرجوش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ "بھئی گڑیا اور بلو آپ دونوں نے ہی دو دو سوالوں کے صحیح جواب دے کر مقابلہ برابر کر دیا۔ اس لیے اب آپ دونوں کو ہی جیومیٹری بکس دیے جائیں گے۔" "ہرّا" بچوں نے خوشی سے نعرہ لگایا تو دادا جان نے دونوں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں کل چھٹی ہے تو ہم کل صبح ناشتے کے بعد لان میں کرکٹ میچ بھی کھیلیں گے اور آپ کی امی ہم سب کے لیے گاجر کا حلوہ بنائیں گی تاکہ ہم بھرپور طریقے سے موسم سرما سے لطف اندوز ہو سکیں۔"

"دادا جان زندہ باد۔" بچے خوشی سے جھومنے لگے اور پھر یک دم ہی بلو میاں تالیاں بجاتے ہوئے گنگنانے لگے۔

جاڑا موسم آیا، کپڑے گرم پہناتا آیا
گڑیا نے بھی بھائی کے ساتھ آواز ملائی۔
کیسی ہوا ہے فرفر کانپتے ہیں سب تھر تھر

اور امی جان دادا جان کی طرف شکر گزار نظروں سے دیکھنے لگیں کہ انہوں نے کتنے سہل طریقے سے بلو میاں کی سوچ بدل ڈالی تھی۔ واقعی بزرگوں کا وجود نعمت خداوندی اور تجربہ عظیم اثاثہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

نیا سال اور سردی

دو دن کے برابر ہیں اڑھائی
سورج نے بھی شکل چھپائی
سردی میں ڈوبی کل خدائی
دھند پہاڑوں پر ہے چھائی
کوئل نے آواز دبائی
سردی آئی سردی آئی

سردی کے ہیں آئے جھٹکے
کون کھائے اب ٹھنڈے قلفے
گاجر حلوہ گرم سموسے
مونگ پھلی کشمش چلغوزے
تازی دودھ جلیبی لائی
سردی آئی سردی آئی

بلبل نے [illegible] ہے گانا گایا
کمبل [illegible] نیا آیا
ہاتھ [illegible] لایا
کہتے ہیں [illegible] تایا
[illegible] بھاگو میرے بھائی
سردی آئی سردی آئی

[illegible] جائے
محفل ساری رات جمائے
کوئی بھی نہ اٹھ کر جائے
انجم بیٹھا نظمیں گائے
اوپر لے کر گرم رضائی
سردی آئی سردی آئی

(نظم محمد انجم ایم اے، راجہ جنگ)

مصر پاکستان کا برادر اسلامی ملک ہے۔ ان کا آپس میں اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ ہے۔ دونوں ممالک کے عوام نے فلسطین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کی ہمیشہ مذمت کی ہے۔ مصر کے ساتھ ساتھ پاکستان بھی فلسطینی عوام کی اخلاقی اور مالی حمایت کے لیے آواز بلند کرتا رہتا ہے۔

آبادی کے لحاظ سے مصر دنیائے عرب کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا دارالحکومت قاہرہ (آبادی ایک کروڑ سے زائد) عرب دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یونانی مورخ ہیرو ڈوٹس کے بقول مصر دریائے نیل کا تحفہ ہے۔ دنیا کا طویل ترین دریا نیل وسطی افریقہ سے نکل کر وکٹوریہ جھیل میں گرتا ہے اور پھر یوگنڈا، سوڈان اور مصر میں بہتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ دریائے نیل کی کل لمبائی 4160 میل ہے۔

مصر عربی نام ہے جو قرآن میں بھی مذکور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مصر بن مصرائم بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر ہے۔ مصری عربی میں اسے مصر کہتے ہیں۔ اور انگریزی میں اسے EGYPT کہا جاتا ہے۔

مصر کا پورا نام جمہوریہ مصر العربیہ ہے۔ دارالحکومت قاہرہ ہے۔ اس کا رقبہ 10,02,450 مربع کلو میٹر ہے۔ مصر کا رقبہ پاکستان سے 206354 مربع کلو میٹر زیادہ ہے۔ مصر کی آبادی 77,420,000 ہے۔ پاکستان کی آبادی مصر سے تقریباً 10 کروڑ زیادہ ہے۔ سرکاری زبان عربی ہے جب کہ دیمری، نوبیائی، بدوی علاقائی زبانیں ہیں۔ قومی زبان بھی عربی ہے۔ کرنسی مصری پاؤنڈ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی غیر عربی زوجہ ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تعلق مصر سے تھا۔ جنھیں شاہ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ قدیم دنیا کے سات عجائبات میں سے صرف اہرام مصر اب تک باقی ہیں۔ مصر، افریقہ اور شرق اوسط کا سب سے گنجان آباد ملک ہے۔ مصر کی آبادی کا بیشتر حصہ دریائے نیل کے دونوں طرف تقریباً 40 ہزار مربع کلو میٹر کے علاقے میں آباد ہے۔ مصر کی نصف آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ دنیا کی سب سے لمبی انسانی ساختہ سمندری نہر سویز (166 کلو میٹر طویل) مصر میں واقع ہے۔ مصر واحد ملک ہے۔ جو دو براعظموں افریقہ اور ایشیا میں واقع ہے۔ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ ازہر ہے جو مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں واقع ہے۔ جامعہ ازہر 971ء میں قائم ہوئی تھی۔

مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے پر مشتمل ہے۔ جب کہ مصر کا جزیرہ نما سینا، ایشیا میں واقع ہے۔ مصر کے شمال میں بحیرہ روم، جنوب میں سوڈان، مشرق میں اسرائیلی مقبوضہ فلسطین خلیج عقبہ اور بحیرہ قلزم اور مغرب میں لیبیا واقع ہے۔ مصر کے مشرقی حصے میں دریائے نیل بہتا ہے۔ مصر میں وادی نیل کی لمبائی ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ جنوب میں اس کی چوڑائی کا اوسط 12 میل کے قریب ہے۔ وادی نیل کے علاوہ ملک کا 90 فی صد رقبہ پہاڑی یا صحرائی ہے۔ مصر کا مغربی صحرا دراصل صحرائے اعظم کا حصہ ہے۔ صحرائے اعظم دنیا کا سب سے بڑا صحرا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے شیث کی نسل سے حضرت ادریس علیہ السلام تھے وہ مصر کے شہر منفس میں پیدا ہوئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم استعمال کیا۔ پھر 1800 ق م (قبل از مسیح) کے لگ بھگ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے حران (ترکی) اور شام سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے۔ مصری شہزادی ہاجرہ سے ان کی شادی ہوئی، جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور ان سے عربوں کی نسل چلی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زیادہ تر زندگی بھی مصر میں گزری۔

قدیم مصر کے فرعون کو خدا مانا جاتا تھا۔ فرعون مصری بادشاہوں کا لقب تھا۔ اولین فرعونوں کے معماروں نے ان کے بڑے بڑے مقبرے تعمیر کیے جو اہرام کہلاتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا ہرم فرعون خوفو کا ہے۔ جو پتھر کی 23 لاکھ سلوں سے مل کر بنا ہے۔ ان سلوں کا اوسط وزن اڑھائی 2-1/2 ٹن ہے جب کہ بعض 30 ٹن وزنی ہیں۔ ہرم خوفو کی بلندی 148 میٹر ہے اور یہ 13 ایکڑ پر پھیلا ہے۔

مصری فرعونوں کا زمانہ 3150 ق م سے 330 ق م تک ہے۔ ان میں مشہور فرعون آمن ہوٹپ، تھتموسس سوم، اخناتن اور اس کی ملکہ نفرتی، توتخ آمن، رعمسیس دوم اور منفتاح تھے۔ آخری دو حکمران فرعون موسیٰ کہلاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رعمسیس کے محل میں پرورش پائی اور اس کے بیٹے منفتاح کے دربار میں اسلام کی تبلیغ کی۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ (1948ء) میں مصر نے غزہ کی پٹی کا فلسطینی علاقہ اسرائیل کے تسلط سے بچایا۔ جینا واپس لینے کے لیے مصری صدر انور سادات نے اکتوبر 1973ء کی جنگ چھیڑی۔

مگر چھ دن بعد وہ جنگ بندی پر مجبور ہو گئے۔ آخرکار 1979ء میں مصر اسرائیل کا ناجائز وجود تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اکتوبر 1981ء میں صدر انور سادات کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ اپریل 1982ء میں اسرائیل نے شہر سوئز کا قبضہ مصر کو دے دیا۔

دریائے نیل پر دنیا کا عظیم آبی بند اسوان ڈیم 70-196 کے عرصہ میں تعمیر ہوا۔ یہ عظیم ڈیم اسوان کے قریب جنوبی مصر میں واقع ہے۔ یہ ڈیم 3830 میٹر طویل ہے۔ اس ڈیم کی جھیل ناصر 550 کلو میٹر طویل اور 35 میٹر چوڑی ہے۔ اس کا شمار دنیا کے 10 بڑے ڈیموں میں ہوتا ہے۔

☆ مصر کے مشہور شہر: قاہرہ: یہ دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور مصر کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 67 لاکھ 60 ہزار ہے۔ قاہرہ نہ صرف مصر بلکہ عالم عرب کا سب سے بڑا علمی ثقافتی اور صحافتی شہر ہے۔ یہاں عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ قاہرہ میں عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر اور جامع مسجد عمرو بن عاصؓ واقع ہیں۔

☆ اسکندریہ: یہ مصر کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جو دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مغرب میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اسے اسکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔ اسے حضرت عمرو بن عاص نے 642ء میں فتح کیا تھا۔ یونانیوں نے یہاں جزیرہ فاروس پر روشنی کا مینار تعمیر کیا تھا۔ جو دنیا کے سات قدیم عجائبات میں شمار ہوا مگر آج اس کا کوئی وجود نہیں۔

☆ اسیوط: یہ اسلام کے بہت بڑے عالم، مورخ اور مفسر قرآن علامہ جلال الدین سیوطی کا شہر ہے۔ جو یہاں 1445ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اسیوط وسطی مصر میں دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 35 لاکھ ہے۔

☆ پورٹ سعید: یہ اہم تجارتی بندرگاہ ہے۔ جو نہر سوئز کے شمال میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یورپ اور ایشیا کے درمیان سفر کرنے والے بحری جہاز یہاں رکتے ہیں۔ اس کی آبادی 5 لاکھ 15 ہزار ہے۔ ☆☆☆

ا	ج	ت	و	ن	ص	ط	ع	ل	ک
م	س	ل	م	ا	ن	ش	ی	خ	ی
ظ	گ	ہ	د	ف	و	ن	ب	چ	غ
ص	م	ض	ط	ل	ظ	ق	ا	ک	ح
ب	ق	ا	ف	ک	ے	و	ح	ء	ہ
ل	ب	ل	س	ش	ق	پ	ص	ٹ	ت
و	و	ش	ن	ج	ن	گ	ٹ	ط	ب
ص	ل	ک	ا	ش	م	ل	ک	ہ	ر
و	ج	ر	ر	ا	ت	ف	ر	ی	ت
م	چ	س	ا	م	ر	و	د	ش	ن

آپ نے حروف ملا کر دس الفاظ تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان الفاظ کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

فلک، جنگ، امرود، لشکر، مسلمان، صحابی، برتن، مقبول، رفتار، موصول

(گزشتہ سے پیوستہ) خوف و ہراس پھیلایا ہوا ہے۔ یہی لوگ میرے پیچھے گئے تھے۔" احمد پُرسوچ انداز میں گویا ہوا۔ "ہاں یار مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" شہزاد نے احمد کی تائید کی۔ "اچھا! چھوڑو تم لوگ ابھی آرام کرو صبح بات کریں گے۔ گاؤں کا تفصیلی جائزہ میں لے چکا ہوں۔ کل ہم لوگ کوئی منصوبہ بنائیں گے۔" "ٹھیک ہے۔" تینوں سفر کی وجہ سے چونکہ تھکے ہوئے تھے۔ اس لیے فوراً ہاں کہہ دیا۔ احمد مسکراتے ہوئے شب خیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اپنے پلنگ پر کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کیوں کہ آج وہ پورے گاؤں کے اطراف کا سارا جائزہ لے کر آیا تھا اور اسے گاؤں میں شمال کی جانب والے کھیت کی دوسری جانب جس کے ساتھ ایک نالہ بھی بہتا تھا۔ اس کو پورے گاؤں میں یہی جگہ پُراسرار لگی تھی۔ وہاں اسے دو سر سے پاؤں تک سفید پوش نظر آئے تھے۔ احمد فوراً درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا اور وہ سفید پوش اس کے پاس سے گزر گئے تھے۔ کھیت کے دوسری طرف جا کر کچھ دیر کھڑے ہوئے پھر احمد کو وہاں سے کھٹکے کی آواز بھی آئی تھی جیسے کسی چیز کا لاک کھلا ہو اور پھر وہ دونوں سفید پوش غائب ہو گئے تھے۔ احمد کو ان کا ٹھکانا مل گیا تھا۔ اس لیے وہ واپس آ گیا اور اپنے دوستوں کے ساتھ منصوبہ بنا کر ان لوگوں کا راز فاش کرنے کا سوچا تھا۔ پیچھے سے کھٹکے کی آواز سے احمد کی سوچوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ وہ

بے حد حیران ہوا کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر گلی میں کھڑکی کے پاس سے ایک سایہ گزرا۔ اندھیرے کے باعث وہ فوراً دیکھ نہیں پایا تھا۔ غور کرنے پر اس کو تین سائے اور نظر آئے۔ احمد بنا قدموں کی چاپ پیدا کیے کھڑکی کے پاس آیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کو واضح نہ سہی لیکن تھوڑی بہت آواز سنائی دی۔ ان میں سے ایک سایہ کہہ رہا تھا۔ "ہاں میں نے پتا کیا ہے۔ وہ تینوں جو آج آئے تھے۔ اسی گھر میں ٹھہرے ہیں اور یہ لوگ ضرور ہمارے خلاف قدم اٹھائیں گے کیوں کہ یہ ہمیں اجنبی لگے تھے اور ان کے بیگوں میں سے سامان بھی مشکوک قسم کا نکلا ہے۔ پھر تو ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ ورنہ ہماری خیر نہیں۔ چیف ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" دوسرا سایہ حرکت میں آیا۔ احمد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ ضرور میرے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ وہ دبے پاؤں فوراً اوپر چھت پر گیا اور ان کے کمرے میں جا کر دروازہ کھول دیا۔ احسن نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کر رہا تھا۔ "دیکھا تم نماز پڑھ رہے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی۔" احمد نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ احسن پہلے تو اس کو رات کے وقت دیکھ کر حیران ہوا۔ لیکن جب اس نے اس طرح سرگوشی کی تو چونک گیا۔ "کیا ہوا خیریت تو ہے۔" احسن اسی کے انداز میں بولا۔ احمد نے احسن کو ساری بات بتائی اور

انگلا منصوبہ بھی بتایا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایسے میں ان لوگوں کا پتا بھی چل جائے گا۔" احسن نے احمد کی ہاں میں ہاں ملائی، پھر ان کو چھت پر قدموں کی آواز آئی۔ قدموں سے دو لوگوں کا گمان ہوا۔ وہ دونوں دروازے کی اوٹ میں ساکت و جامد کھڑے ہو گئے۔ دو سفید پوش کمرے میں داخل ہوئے ان کے چہروں پر عجیب سا ماسک لگا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازے کی اوٹ سے نکل کر احمد اور احسن نے فوراً ان کو دبوچ لیا۔ ان کے منہ سے کھینچتے ہوئے ماسک اتارا اور ان کی گردن کے گرد اپنے بازو سے دبا ڈالا اور ان کے منہ پر ہاتھ رکھا تاکہ کوئی شور پیدا نہ ہو۔ وہ دونوں انسان ہی تھے۔ احمد نے ایک آدمی کی کنپٹی پر مکا مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ یہی کارروائی احسن نے دوسرے اور تیسرے آدمی کے ساتھ دہرائی۔ پھر انہوں نے ان کے ماسک اور چغے اتار کے خود پہنے اور پھر ان سب کو احسن کے بیگ سے رسی نکال کر باندھ دیا اور ان کے منہ میں کپڑا دے دیا اور بڑے پلنگ کے نیچے دھکیل دیا۔

دونوں نے پہلے تو چونک کر دونوں کو دیکھا۔ پھر اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے سر نیچے کر لیا۔ شہزاد، احمد اور بلال نے ان تینوں مشکوک آدمیوں کے سفید پوش والی ڈریس رکھے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی دلبر انہیں اپنا ساتھی سمجھا تھا۔ یہ تینوں دلبر کے پیچھے پیچھے ان کے خفیہ ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے "جلدی آؤ، کتنی آہستہ چل رہے ہو۔" چوتھا سفید پوش جس کا نام دلبر تھا۔ کڑک کر بولا۔ "ہاں ہاں استاد ہم آ رہے ہیں۔" احسن فوراً آواز بدل کر بولا اور ساتھ ہی اپنی رفتار بھی بڑھا دی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ لوگ کھیتوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ چاروں دوست ہر ایک چیز کو دیکھ کر ذہن نشین کر رہے تھے کہ کہاں ان لوگوں نے اپنی حفاظت کے لیے آلہ جات نصب کیے ہوئے ہیں۔

صبح کا نور ہلکا ہلکا پھیل رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ فجر یقیناً ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر کی مسافت کے بعد وہ لوگ اسی جگہ پہنچے جہاں احمد نے دو سفید پوش کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا زمین کے ساتھ الیکٹرک ڈور تھا۔ جس کے دائیں طرف ایک درخت تھا۔ اس درخت کے موٹے تنے کو اس انداز میں کاٹ کر اندر اس کا لاک سیٹ کیا گیا تھا کہ کسی کو شک تک نہیں ہو سکتا تھا کہ اس درخت میں کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ دلبر نے آگے بڑھ کر تنے کے درمیان میں ہلکا سا دبایا تو وہاں سے لکڑی ہٹ کر ایک ریموٹ سامنے آ گیا۔ دلبر نے پاس ورڈ لکھا اور ایک بہت بڑا گیٹ جو کہ زمین کے ساتھ نصب تھا۔ وہ کھل گیا اور اس کے اندر نیچے جانے والی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور نیچے ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ پھر وہ چاروں دوست اللہ کا نام لے کر نیچے سیڑھیاں اترنا شروع ہو گئے۔ جیسے ہی آخری بندہ جو کہ احمد تھا۔ نیچے اترا فوراً دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ہر طرف تیز روشنی پھیل گئی اور ان کو صاف نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ لوگ ایک تہ خانے میں جا رہے تھے۔ وہ چاروں دوست حیران تھے کہ کیسے ان لوگوں نے اپنا یہاں ایک ٹھکانہ بنایا ہوا ہے۔ ان میں تجسس بڑھ رہا تھا۔ آخر یہ ہیں کون اور انہوں نے یہ اڈا کس کام کے لیے بنایا ہوا ہے۔ سیڑھیاں اترتے ہی ان کو دو ہال نما کمرے نظر آئے۔ بڑے بڑے ڈرموں میں پڑی منشیات اور ڈرگز کے ڈھیر اور کچھ نہیں تھا اور پورا گودام انہی چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔ احمد نے بلال اور شہزاد کے ہاتھ کھول کر ان کو بڑے بڑے ڈرموں کے پیچھے بٹھا دیا۔ جب تک وہ باقی کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ احمد اور احسن وہاں سے نکل کر دوسرے دائیں جانب والے کمرے میں آئے وہ کمرہ بھی اسی طرح کی چیزوں سے بھرا تھا لیکن یہاں دوسرے کمرے کی نسبت چیزیں بڑی تھیں۔ کمرے کی حدود سے نکلے تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہ غصے کی بجلی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ آگے ایک وسیع و عریض ہال تھا جہاں بہت سے مرد و عورتیں پاؤں میں زنجیریں ڈالے بڑی بڑی مشینوں کے آگے کام کر رہے تھے۔ ان بڑی بڑی مشینوں میں مختلف نشہ آور ادویات بن رہی تھیں۔ اور ساتھ میں مشینوں ہی کی مدد سے وہاں ان کی پیکنگ ہو رہی تھی اور جو لوگ کام کر رہے تھے بے حد لاغر اور کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ جیسے ان کو کئی دنوں سے کھانا نہ دیا گیا ہو۔ پھر سامنے والے ریلنگ پر ان کو ایک سفید پوش کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کی گردن بار بار نیچے کو ڈھلک رہی تھی۔ اس سے لگ رہا تھا کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ احمد نے احسن سے کہا اس کو ٹھکانے لگا کر اس کا لباس پہنتا ہے۔ احسن فوراً اس سفید پوش کے پاس گیا اور آواز بدل کر کہا تم تو تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ ایسا کرو میرے ساتھ آؤ میں تمہیں آرام کی جگہ دکھاتا ہوں وہاں اگر تم آرام بھی کرو گے تو کوئی تمہیں دیکھے گا بھی نہیں۔ تم وہاں سو جانا تمہارے حصے کی ڈیوٹی میں کرتا ہوں۔ وہ سفید پوش خوشی خوشی اس کے ساتھ چل پڑا۔ احسن اس کو لے کر گودام میں آیا اور وہاں اس کو بھی بے ہوش کر کے منہ میں کپڑا

ڈال کر باندھ دیا۔ اور اس کا سفید چغہ لے کر بلال کو دیا اور اس آدمی کو ڈرموں کے پیچھے چھپا دیا۔ اتنی دیر میں احمد بھی ایک سفید پوش کا لباس خود پہن لیا۔ اب وہ چاروں دوست انہی سفید پوش کے حلیوں میں تھے۔ اب ان کو اس وسیع تہہ خانے میں چاروں طرف پھیلنا تھا۔ احمد نے تینوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہر کوئی تہہ خانے کے چاروں طرف پھیل جائے اور ایک دوسرے کو اپنے اطراف کی صورت حال کا جائزہ لے کر ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔ چاروں گودام سے نکل کر تہہ خانے کے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ وہ چاروں سفید چغوں میں تھے۔ احمد جان گیا تھا۔ یہ سب انسان ہی ہیں۔ گاؤں کے معصوم لوگوں کو انہوں نے اس حلیے سے ڈرایا ہوا تھا۔ احمد دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کے قدم وہیں جم گئے تھے۔ کیوں کہ وہ اس پوری جگہ کا کنٹرول روم تھا۔ بڑی بڑی اسکرینوں پر پورے گاؤں کا کونا کونا ان اسکرینوں پر آ رہا تھا۔ سڑک سے گلی تک ہر منظر صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ لوگ ہر ایک پر نظر رکھتے تھے اور جو ان کو مشکوک لگتا تھا تو یہ ان لوگوں کو مار دیتے تھے۔

بلال اور شہزاد تہہ خانے کے شمالی جانب گھوم رہے تھے اور پورے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ رفیال لوگ بھی اس پوری پر گہری خاموشی کی طاری کیے ہوئے مسلسل کام کر رہے تھے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ وہ لوگ بے حد تکلیف میں دکھائی دے رہے تھے۔ بلال کا تو یہ دیکھ کر ہی خون کھول رہا تھا لیکن وہ عزم مصمم کر چکا تھا۔ کہ وہ لوگ ضرور ان کو یہاں سے نکال کر چھوڑیں گے۔ اس کے بعد وہ دونوں ہال کے دوسری جانب کی سیڑھیوں پر قدم رکھنے ہی لگے تھے کہ ان دونوں کی کمروں کے ساتھ بندوقیں تان دی گئیں۔ "ذرا سی بھی حرکت کی تو ابھی گولی سینے میں اتار دوں گا۔" ایک سفید پوش کڑک کر بولا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر پیچھے مڑنے ہی لگے تھے کہ دونوں کی کنپٹی پر ایک دستہ مکا مارا گیا اور دونوں بے ہوش ہو کر ان کی بانہوں میں جھول گئے۔

احمد نے نیم غنودگی میں آنکھیں کھولیں۔ اس کا ذہن ایسا تھا جیسے اس پر سیاہ چادر ڈالی ہو یا کسی نے اچانک کمرے کا چلتے ہوا بلب بند کر دیا ہو لیکن یہ اندھیرا بھی احمد کے خیال کے مطابق چند لمحوں تک رہا۔ اس کے بعد پہلے کی طرح روشنی ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی احمد نے بے اختیار اچھلنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں اس لیے ناکام رہا کیوں کہ وہ رسی سے بندھا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کنٹرول روم کی بجائے ایک چھوٹے سے کمرے کے فرش پر دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کے عقب میں بندھے ہوئے تھے اور اسی طرح اس کے پیر بھی آگے کر کے انہیں بھی رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس نے تیزی سے گردن گھمائی تو اس کے ساتھ ہی اس جیسی حالت میں ہی احسن، بلال اور شہزاد بھی موجود تھے لیکن وہ تینوں ہی ہوش میں آنے والی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک آدمی اپنے اصلی حلیے میں ہاتھ میں گن پکڑے کھڑا تھا اور انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ کیا وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ سب کے سب اپنے اصلی حلیوں میں تھے۔ ان کے سفید چغے اتارے جا چکے تھے۔ اور ماسک بھی اتارے جا چکے تھے۔ چند لمحوں بعد احسن، بلال اور شہزاد نے بھی گردن گھمائی اور حیرت بھری نظروں سے اپنے آپ کو اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ان کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

تمہارا تعلق پولیس سے ہے کیا؟ کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔

میرا خیال ہے کہ تم اس خفیہ تہہ خانے کے چیف ماسٹر ہو۔ احمد نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کر دیا۔ تو وہ آدمی نمایاں طور پر اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر شدید یک لخت شدید حیرت کے اثرات ابھرے۔

تم نے یہ بات کس بنا پر کی ہے۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے تیز لیکن حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ ہم اسی خفیہ تہہ خانے کے اندر ہی موجود ہیں۔ اور باقاعدہ تم لوگ ہمیں یہاں پوری پلاننگ سے لائے ہو اور ویسے بھی جس طرح تم یہاں آ کر بیٹھے ہو اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ چیف تم ہی ہو۔ احمد نے باقاعدہ اپنی بات کے حق میں دلیل دیتے ہوئے کہا۔ ہاں میں ہی چیف ہوں اور میرا نام فرہاد ہے اور اس تہہ خانے کے باہر کے تم چاروں پہلے افراد ہو جنہوں نے میرا چہرہ دیکھا ہے۔ ورنہ دنیا تو صرف فرہاد کے نام سے ہی اپنا سر جھکا لیتی ہے۔ فرہاد بڑے فخریہ لہجے میں بولا۔

تمہیں ہمارے بارے میں کیسے علم ہوا۔ احمد نے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ تو فرہاد کے چہرے پر ایک دفعہ پھر فخریہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

تم نے کنٹرول روم میں بڑی بڑی اسکرینیں تو دیکھی ہوں گی۔ تو تمہارے یہ تینوں ساتھی جب اسکرین کے سامنے آئے تو ان کو

مشکوک قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے ایک لڑکا اور رات کے اندھیرے میں آیا تھا۔ اس کا چہرہ تو نہ دیکھ پائے تھے۔ لیکن اس کی تلاش جاری تھی۔ جب یہ تینوں آئے تو یقین ہو گیا ان کو تم ہی نے بلایا ہے۔ تم تک بھی یہ تینوں لڑکے ہی انہیں لے گئے تھے۔ پھر تمہارے ان دوستوں کو مانیٹر کیا گیا۔ تو یہ واقعی مشکوک نکلے۔ میرے حکم سے تمہارے ساتھیوں کے پیچھے میرے آدمی گئے لیکن یہ لوگ بھی تربیت یافتہ تھے۔ بچ نکلے۔ ان کے ہاتھوں سے تو میرے آدمی نے ان کا پتا لگانا شروع کر دیا اور جب میرے لوگ ان کو اٹھانے گئے تو وہاں تم دونوں نے ہوشیاری دکھا کر میرے بندوں کے حلیوں میں آ کر اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ تم لوگوں کی اس ہوشیاری کا میرے بندے دلبر کو پتا چل گیا تھا۔ فرہاد نے پیچھے کھڑے مسلح آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے بھی ظاہر نہیں کیا۔ اگر تم لوگ شرافت سے خود آ رہے ہو تو اس کو پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی پھر تم لوگوں سے کچھ اس طرح کی غلطیاں سرزد ہوئیں کہ اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ تم لوگوں کے آنے کے بعد دلبر نے ایک آدمی کو وہیں بھیجا تھا۔ جہاں تم دونوں نے میرے بندوں کو باندھ کر پلنگ کے نیچے کر دیا تھا۔ فرہاد تفصیلی جواب دیتے ہوئے بولا۔

احمد اتنا تو جان گیا تھا کہ وہ لوگ اسمگلنگ کرتے تھے۔ اس لیے یہاں تیل بناتے اور یہیں سے پورے ملک میں سپلائی کرتے تھے۔ احمد نے کہا وہ اب اس لیے باتیں کر رہا تھا کیوں کہ اس نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ بلال، شہزاد اور احسن تینوں کے بازوؤں میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ تینوں بھی اپنے ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ درست تھا کہ ان کی ٹانگیں..... سامنے کی جانب بندھی ہوئی تھیں اور سامنے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں اور وہ ان کے سامنے انہیں کھول نہیں سکتے تھے لیکن اس کے اوپر یک لخت اچھل کر حملہ تو کر سکتے تھے لیکن وہ دو تھے اور وہ اکیلا احمد شاید ان پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ اس لیے وہ یہی چاہتا تھا کہ وہ تینوں بھی پہلے اپنی اپنی رسیاں کھول لیں۔

احمد کو افسوس ہوا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب حرام کا پیسہ ہے تم لوگوں کی زندگیاں تباہ کر رہے ہو۔ احمد نے اس آدمی سے کہا۔ "اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ تمہیں ان لوگوں کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔" "بس بس۔ میں کسی حرام حلال کو نہیں جانتا۔ میں بس پیسہ کمانا جانتا ہوں۔" فرہاد دھڑلے سے احمد کی بات کاٹ کر بولا: "اور رہی گاؤں والوں کی خوشی کی بات تو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے بس اپنا دھندا چلانا ہے۔ گاؤں والے بہت معصوم اور بھولے بھالے لوگ ہیں۔ اس لیے ان کو صرف اس لباس سے ڈرایا جاتا ہے اور دو چار بندوں کو مار کر بھی اپنی دہشت بٹھا دی ہے اور اگر کوئی گاؤں سے جانے لگے یا کوئی آئے تو اس کو اٹھا کر یہاں لا کر کام کروایا جاتا ہے۔ فرہاد فخریہ انداز میں بولا۔

یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں۔ اچانک احمد نے کہا اس کے ساتھ ہی ممکنہ حد تک اپنی پھیلی ہوئی ٹانگوں کو اندر کی طرف سمیٹ لیا۔ کیوں کہ ان تینوں نے مخصوص انداز میں سر ہلا کر بتا دیا تھا کہ وہ تینوں اپنے ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ احمد کے ٹانگیں سمیٹنے پر ان تینوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

یہ کیا کر رہے ہو تم۔ فرہاد نے یک لخت چونک کر کہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا اچانک احمد ایک جھٹکے سے اٹھا اور دوسرے لمحے جیسے کوئی بھاری پرندہ فضا میں اڑتا ہے۔ اس طرح اس کا جسم ہوا میں اچھلا اور دوسرے لمحے فرہاد کی پشت پر کھڑا آدمی چیختا ہوا ایک طرف جا گرا۔ جب کہ فرہاد احمد کے جسم کے نیچے دب کر کرسی سمیت پشت کے بل فرش پر جا گرا۔ احمد نے چھلانگ لگا کر فرہاد کے آدمی کو ایک ہاتھ سے مخصوص انداز سے ضرب لگا کر ایک جانب اچھال دیا تھا۔ البتہ اس نے اس کے ہاتھ سے گن چھین لی تھی۔ وہ آدمی دور جا کر گرا اور دوبارہ تیزی سے اٹھنے ہی لگا تھا کہ احسن نے اس پر چھلانگ لگا دی اور ایک بار پھر اسے نیچے گرا دیا تھا۔ فرہاد نے یک لخت احمد کو دونوں ٹانگوں سے اٹھا کر پچھلی دیوار سے دے مارا اور خود جھٹکا کھا کر اٹھا ہی تھا کہ بلال اس سے آ ٹکرایا اور بلال کی زوردار ٹکر کھا کر فرہاد کے جسم نے جھٹکا کھایا۔ اسی لمحے کمرہ انسانی چیخ اور گن کی ریٹ ریٹ سے گونج اٹھا۔ یہ فائرنگ احمد نے کی تھی کیوں کہ فرہاد کے آدمی نے بڑے ماہرانہ انداز میں احسن کو ایک طرف اچھال دیا اور خود تیزی سے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن شہزاد نے کسی بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح اس کے سر پر دوسری ٹکر جڑ دی اور اس بار فرہاد کا جسم ڈھیلا پڑتا چلا گیا جب کہ فرہاد کے آدمی پر فائرنگ کرتے ہی احمد اچھل کر کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی جھک کر اپنے پیروں کو رسیوں سے آزاد کیا اور اس کے ساتھ ہی تینوں نے بھی یہی کارروائی کی اور جلد ہی وہ تینوں بھی پیروں میں جکڑی رسیوں سے آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد فوراً احمد باہر گیا اور اندر آیا اور فرہاد کی ٹانگیں اور ہاتھ باندھ دیئے کہ اگر ہوش میں آ بھی جائے تو بھاگ نہ پائے۔ احسن تم میرے ساتھ آؤ اور بلال تم ہال کے بائیں جانب جا کر

کنٹرول روم میں لال رنگ کا مین سرکٹ ہوگا تم اس کو دبا دینا اور شہزاد تم اس پر نظر رکھو۔ احمد نے آنکھ کے اشارے سے فرہاد کی طرف اشارہ کیا۔ اور فوراً احسن کو لے کر باہر نکلا اور جائزہ لیا۔ وہاں تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ان کو ٹوٹل دس سفید پوش ہے۔ جن کو وہ ہاتھ اوپر کروا کر اس کمرے میں لے آئے۔ جہاں فرہاد بندھا ہوا تھا اور ان کو بھی بے ہوش کر کے رسی سے باندھ دیا۔

احمد نے کنٹرول روم میں جا کر گاؤں کے قریبی چوکی پر پولیس کو کال کی اور ان کو فوراً سے پیشتر آنے کا کہا۔ جتنی جلدی ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ اپنی نفری کو لے کر آ جائیں۔ احمد نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

تین گاڑیوں کے وقفے وقفے سے ٹائروں کے چرچرانے کی آواز آئی۔ جیسے بہت تیز رفتار میں گاڑی کو بریکیں لگائی ہوں اور اس میں سے دس بارہ کے قریب لوگ باہر نکلے تھے۔ ابھی وہ نکل کر اندر کی جانب بڑھتے ہی گئے تھے کہ ان کے پیچھے ہی چار پانچ پولیس کی گاڑیاں اپنے مخصوص بجتے سائرن کے ساتھ دکھائی دیں۔ جو کہ ان سے کچھ فاصلے پر آ کر رکیں۔ اور اندر سے پولیس کے آدمی بجلی کی سی تیزی سے نکل کر ان کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ جب تک ان کی سمجھ میں کچھ آتا۔ پولیس ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر چکی تھی اور انہوں نے بھی حرکت میں آنے کی کوشش کی ہی تھی کہ پولیس انسپکٹر کی گرج نے انہیں وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ اگر یہاں سے ذرا انچ بھی ہلے تو تم لوگوں کو گولیوں سے بھون دوں گا۔ اپنے ہاتھ اوپر کرو۔ اور اندر احمد پولیس کے سائرن کی آواز سن چکا تھا۔ اس لیے فوراً کمرے میں آ کر پہلے فرہاد کے منہ پر اور ناک پر ہاتھ رکھا۔ ایسا کرنے سے فرہاد کو فوراً ہوش آ گیا۔ یہی کارروائی احسن اور شہزاد نے باقیوں کے ساتھ کی۔ پھر ان کو باہر لے کر آئے اور باہر آ کر ان لوگوں کو بھی پولیس کے حوالے کیا۔ جلد ہی پولیس نے ان لوگوں کو گرفتاری میں لے لیا اور ان چاروں کے کام کو بے حد سراہتے ہوئے شاباشی دی۔ انسپکٹر نے بتایا کہ ہم اس فرہاد اسمگلر کو بہت عرصے سے ڈھونڈ رہے تھے لیکن یہ ہاتھ آ کر بھی نکل جاتا تھا لیکن اب یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ پولیس کے اسمگلروں کو گاڑی میں ڈال چکے تھے۔ پھر احسن نے وہاں گیٹ کا کوڈ بدلا اور وہ لوگ بھی اپنی فتح پر خوش تھے کہ آخرکار انہوں نے گاؤں والوں کو اس مصیبت سے نجات دلا دی تھی۔ چاروں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خوشی سے گاؤں کی آبادی میں جانے والی سڑک پر گامزن ہوئے اور تھوڑا آگے جانے پر دیکھا کہ پورا گاؤں ان کے استقبال میں کھڑا تھا۔ خوشی لوگوں کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ سب سے آگے احمد کے اماں ابا تھے۔ جن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔ احمد اپنے اماں ابا کے گلے لگ گیا۔ ماں جی نم آنکھوں سے بولیں۔ گاؤں والوں نے تو ان کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ ہر کوئی خوش تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ ان لوگوں کی وجہ سے تو ان کی وجہ سے تو ان کو خوشی ملی تھی۔ ہر ایک کے منہ پر ان کے لیے دعائیں ہی دعائیں تھیں۔

احمد اور اس کے تینوں دوستوں کی تنخواہ ترقی ہوئی اور انہیں دوسرے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

☆☆☆

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کو کلام اللہ کی تلاوت سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک بار مجلس میں بیٹھے اپنے خلفاء سے مصروف گفتگو تھے کہ یکایک آپؒ نے مریدوں اور خلفاء کو مخاطب فرما کر کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو دو رکعت میں پورا کلام اللہ ختم کر دے؟ حاضرین میں سے کسی نے اس جملے پر ہاں نہیں کی تو آپؒ خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور دو رکعت نماز کی نیت کی۔ پہلی رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھ کر نماز ختم کر دی۔

آپؒ کا ہمیشہ یہ طریقہ تھا کہ ایک کلام پاک رات میں ختم فرمایا کرتے تھے۔ اکثر یہ دیکھا جاتا کہ رات کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ آپؒ نے نوعمری کے زمانے میں تین سال تک مسلسل روزے رکھے۔ صرف پانی اور تھوڑی سی روٹی سے افطار فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے کہ بندے پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صدق و اخلاص کے ساتھ کرے اور یہ اسی طرح سے ہو کہ اللہ کی عبادت اس میں لیے اللہ ہی کی کرے۔ اللہ کے تصور کے سوا ہر تصور سے ذہن اور دل کو پاک کرے اور یہ اس وقت درست ہو گا جب آدمی اپنے حال کو درست کر لے اور قول و فعل میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ زبان سے بغیر ضرورت کوئی بات نہ نکالے اور نہ بلا مقصد کوئی کام کرے۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ کے حضور عاجزی و انکساری کرے اور اللہ سے عمل خیر کے لیے توفیق مانگے اور اللہ کی مدد کا طالب ہو۔ اللہ سے عمل خیر کے لیے توفیق مانگے اور اللہ کی مدد کا طالب ہو۔ اللہ کی رضا میں راضی ہو اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرے۔ اپنی ذات کو تکبر کے غرور سے دور رہے۔

جانوروں کے پسندیدہ کھیل

دنیا میں بہت سے کھیل ہیں۔ جن میں انسانوں کی جگہ جانور حصہ لیتے ہیں۔ تاہم ان جانوروں کو قابو کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ جانوروں کے کھیل حیران کن اور دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ کھیل کے دوران کھیلوں کی نگرانی کرنے والے عملے کے افراد اور تماشائیوں کی جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے کہ جانور کھیل کے میدان میں بے قابو ہو کر کسی پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان خطرات کے باوجود جانوروں کے ان کھیلوں میں دل چسپی لینے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ ہم یہاں جانوروں کے چند مقبول کھیلوں کا ذکر کریں گے۔

اونٹ دوڑ (اونٹ ریس):

عرب ممالک میں کھیلا جانے والا یہ ایک قدیم اور تاریخی کھیل ہے۔ یہ عرب کی قدیم روایات کا بھی حصہ ہے۔ یہ زیادہ تر متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، عمان، بحرین، اردن اور قطر میں کھیلا جاتا ہے۔ یہ کھیل اکثر ریگستانی علاقوں میں کھیلا جاتا ہے۔ اونٹ دوڑ میں شامل اونٹوں پر بہت کم عمر بچوں کو سوار کرایا جاتا ہے۔ کم عمر بچوں کو اونٹ دوڑ کے لیے استعمال کرنا جرم ہے لیکن اس کے باوجود عرب امارات میں یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ عرب امارات کے علاوہ اونٹ دوڑ آسٹریلیا اور منگولیا میں بھی ہوتی ہے۔ بچوں کے تحفظ کے قانون کی وجہ سے آسٹریلیا میں زندہ اونٹوں کی جگہ اب روبوٹ اونٹوں کے مقابلے ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا میں اونٹ دوڑ کے مقابلے ہر سال گنجان آباد شہر ایلس سپرنگ میں ہوتے ہیں۔ "کیمل کپ" کے نام سے منعقد ہونے والے اس مقابلے سے لوگوں کو روزگار بھی میسر آتا ہے اور کئی دکانیں اور سٹال بھی سج جاتے ہیں۔

آسٹریلیا میں اونٹ دوڑ کے سب سے بڑے مقابلے کا نام "شیخ زید انٹرنیشنل کیمل ریس" ہے۔ اس مقابلے کے فاتح کو 50 ہزار آسٹریلوی ڈالر بطور انعام دیے جاتے ہیں۔ اس دوڑ میں اونٹ کے دوڑنے کی زیادہ سے زیادہ رفتار 65 کلومیٹر فی گھنٹہ اور کم سے کم 40 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

اونٹ جب چلتا ہے تو اوپر ہو کر چلتا ہے۔ جس سے اس کا سوار اوپر نیچے ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس پر کجاوہ نہ باندھا جائے تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اونٹ کو نکیل کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے ریگستانی علاقوں میں بھی اونٹ دوڑ کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ان مقابلوں میں سوار اونٹ کی کوہان کے پیچھے بیٹھتے ہیں اور کوہان کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ چانکہ کے اونٹ کی دو کوہانوں کے درمیان بیٹھتے ہیں۔ مقررہ مقام سے سوار اپنے اونٹوں

کو مختلف آوازوں کے ذریعے دوڑاتے ہیں۔ جس سوار کو اونٹ پہلے منزل مقصود تک لے جائے۔ وہ جیت جاتا ہے۔

ہاتھی پولو:

پولو دنیا کا قدیم ترین کھیل ہے۔ یہ گھوڑوں کے علاوہ ہاتھیوں پر بھی کھیلا جاتا رہا ہے۔ خصوصاً ایشیا میں یہ ہاتھیوں کے ساتھ کھیلا جاتا تھا۔ ہاتھی پولو سری لنکا، نیپال، راجستھان اور تھائی لینڈ میں کھیلا جاتا تھا۔ اس میں بھی ایک پولو گیند اور 9 فٹ لمبی بید کی چھڑی استعمال ہوتی ہے۔ البتہ ہاتھی پولو کا میدان روایتی پولو میدان سے تین گنا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی اہم وجہ شاید یہی ہے کہ ہاتھیوں کی رفتار گھوڑوں سے بہت کم ہوتی ہے۔ گھوڑے پر ایک سوار ہوتا ہے جب کہ ہاتھی پولو میں ہاتھی پر دو افراد سوار ہوتے ہیں۔ ایک کھلاڑی جب کہ دوسرا مہاوت۔ کھلاڑی جس سمت میں جانے کے لیے مہاوت کو حکم دیتا ہے۔ مہاوت اسی سمت میں ہاتھی کو لے جاتا ہے۔ ایشیا میں ہاتھی پولو کا آغاز سب سے پہلے بیسویں صدی میں بھارت سے ہوا۔

2008ء میں ہاتھی پولو کی عالمی چیمپئن شپ بھی منعقد ہوئی۔ جس کا انعقاد برطانیہ میں ہوا۔

بھینسوں کی لڑائی:

سپین میں تو آپ نے انسانوں اور بھینسوں کے آپس میں مقابلے دیکھے ہیں۔ تاہم اس کھیل میں ایک بھینسا دوسرے بھینسے کے ساتھ لڑتا ہے۔ یہ سوئٹزرلینڈ کا روایتی کھیل ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں سب سے پہلے یہ مقابلہ 1920ء میں ہوا۔ جو اب روایتی تہوار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ہزاروں لوگ یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ بھینسوں کی اس لڑائی کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ان مقابلوں میں ایک بھینسے نے دوسرے کو سینگوں کی مدد سے پیچھے کی طرف دھکیلنا ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ ایک گول دائرے میں ہوتا ہے۔ جس کا سائز 40 فٹ تک ہوتا ہے۔ اس مقابلے کے فاتح بھینسے کو "ملکہ" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اب یہ مقابلے سوئٹزرلینڈ سے نکل کر فرانس، اٹلی اور ترکی بھی جا پہنچے ہیں۔

خرگوش کی چھلانگیں:

پاکستان کی طرح دنیا بھر میں خرگوش بہت محبت سے پالے جاتے ہیں۔ اس کھیل میں خرگوش چھلانگیں لگاتے نظر آتے ہیں۔ یہ چھلانگیں مصنوعی طور پر تیار کی گئی رکاوٹوں پر لگائی جاتی ہیں۔ مقابلے کے لیے خرگوشوں کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔

تاریخی لحاظ سے خرگوش چھلانگ کے سب سے پہلے مقابلے 1970ء میں سویڈن میں منعقد ہوئے۔ ایک مشہور ٹی وی پروگرام "Thats life" میں اس انوکھے اور دل چسپ کھیل کے مقابلے دکھانے کے بعد یہ کھیل برطانیہ میں بھی مقبول ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی یورپ میں 50 سے زیادہ خرگوش چھلانگ کے کلب قائم ہیں۔ یہ مقابلے خرگوشوں کی مختلف نسلوں کے حساب سے بھی ہوتے ہیں۔ عموماً لمبے بالوں والی خرگوش کی نسل چھلانگ لگانے میں ماہر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی خرگوش کی یہ نسل بلند چھلانگ لگانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اب تک سب سے اونچی چھلانگ لگانے والے خرگوش کا ریکارڈ 39.7 انچ ہے۔ جب کہ سب سے طویل یعنی لمبی چھلانگ کا ریکارڈ 118 انچ تک ہے۔ اس کھیل سے بچوں اور بڑوں کے ساتھ ساتھ خود خرگوش بھی بہت لطف اٹھاتے ہیں۔

خرگوش دوڑ:

خرگوش دوڑ کا مقابلہ بھی خاصا مقبول ہے۔ اس میں ایک غبارہ لے کر اس میں گیس یا ہوا بھر دیتے ہیں۔ پھر غبارے کے ساتھ دھاگہ باندھ کر اس کا دوسرا سرا خرگوش کی دم کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ یہ دھاگہ تقریباً ڈھائی فٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ غبارہ خرگوش کی دم سے ایک فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ اب خرگوش کو مقررہ جگہ سے مقابلے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ خرگوش غبارے دیکھ دیکھ کر بھاگتا ہے۔ یوں جو خرگوش تیز بھاگتا ہے وہ جیت جاتا ہے۔

☆☆☆

نئے سال کا تحفہ

[illegible]، جھنگ

نئے سال کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ تمام گلیاں اور بازار سجے ہوئے تھے۔ لوگ شدت سے نئے سال کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح موحد، عائشہ اور آمنہ بھی نئے سال کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں۔ وہ تینوں ہم جماعت تھیں۔ موحد اور آمنہ کا تعلق اونچے خاندانوں سے تھا جب کہ عائشہ کے گھر کی مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ موحد اور آمنہ نہایت ہی بدتمیز تھیں اور عائشہ تمیزدار تھی۔ آمنہ ہر کام غلط طریقے سے کرتی اور موحد بہت سست اور کاہل تھی۔ کوئی کام وقت پہ نہیں کرتی تھی۔ جب کہ عائشہ ان دونوں کے برعکس تھی۔ وہ ہر کام صحیح طریقے سے اور مناسب وقت پر کرتی تھی۔

یہ دسمبر کا دن تھا۔ ان کی دوست مریم کے گھر نئے سال کی پارٹی تھی۔ وہاں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ خوب گپ شپ کی اور پھر رات کا کھانا کھایا۔ نیا سال شروع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس لیے ان سب نے مل کر پروگرام بنایا کہ جتنی دیر بعد نیا سال شروع ہوتا ہے اتنی دیر کوئی کھیل کھیلا جائے۔ پہلے تو تھوڑی دیر انہوں نے لڈو کھیلی۔ مگر بعد میں مریم نے پروگرام بنایا کہ کیوں نہ چھپن چھپائی کی جائے۔ تمام لڑکیاں چھپنے کے لیے جگہیں ڈھونڈنے لگیں۔ موحد، عائشہ اور آمنہ سب سے اوپر والے فلور پر پہنچ گئیں۔ جہاں صرف ایک ہی کمرہ موجود تھا۔ وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئیں۔ کمرے میں روشنی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ بس ادھر سات موم بتیاں جل رہی تھیں جنہیں ایک گچھے میں رکھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تو وہاں چھپی رہیں۔ مگر پھر ان کی نظر دیواروں پر لگی ہوئی مختلف تصویروں پر گئی۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ ان کی نظر وہاں سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ وہاں پر لوگ ہر قسم کے کام کرتے نظر آ رہے تھے مثلاً کھانا، پیتے، سوتے، جاگتے، دوڑتے، لکھتے، پڑھتے وغیرہ۔ کافی دیر تو وہ یوں ہی ان تصویروں کی طرف دیکھتی رہیں مگر بعد میں آمنہ کی نظر ایک تصویر کی طرف پڑی جس میں رنگ غلط طریقے سے بھرے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ تصویر بہت بدصورت دکھائی دے رہی تھی۔ آمنہ نے عائشہ اور موحد کو بلایا اور کہا۔ "یہ تصویر کتنی بدصورت ہے۔ دیکھو نا اس میں کتنے غلط طریقے سے رنگ بھرے گئے ہیں۔" پھر موحد نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور اس تصویر کو تو دیکھو۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ مکمل ہی چھوڑ دی گئی ہو اور اسی طرح اس دیوار پر لٹکا دی گئی ہو۔" وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ انہیں آہٹ محسوس ہوئی۔ انہیں لگا کہ اس کمرے میں ان کے علاوہ بھی کوئی ہے۔ ان تینوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ششدر رہ گئیں۔ سات موم بتیوں کے گچھے سے ایک پری نکلی اور ان کے پاس آ کر مسکرا کر بولی۔ "میں کافی دیر سے تم تینوں کی باتیں سن رہی تھی۔" وہ تینوں اسے دیکھ کر ڈر گئیں اور عائشہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟ اور یہاں پر کیسے آئیں؟" پری نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔ "تم تینوں کو مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک پری ہوں اور میں ان سات موم بتیوں کے گچھے میں رہتی ہوں۔" یہ سن کر ان تینوں کے دل کو تھوڑی تسلی ہوئی۔ پری بولی۔ "آمنہ یہ جو تم نے کہا ہے نا کہ اس تصویر میں رنگ غلط طریقے سے بھرے گئے ہیں۔ یہ اصل میں تمہاری ہی تصویر ہے۔ تم ہر کام غلط طریقے سے کرتی ہو۔" یہ بات سن کر آمنہ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ اسے پچھتاوا ہونے لگا کہ وہ جو بھی کرتی تھی بالکل غلط کرتی تھی۔ پری دوبارہ بولی۔ "اور موحد تم! یہ جو تم نے کہا ہے نا کہ تمہیں یہ تصویر نامکمل لگ رہی ہے۔ یہ تمہاری ہی تصویر ہے۔ تم جب ہر کام مناسب وقت پر نہیں کرتی ہو تو تمہارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔" اس بات سے اسے یاد آیا کہ وہ کام وقت پر نہیں کرتی ہے تو اس کے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسے بعد میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موحد نے پری سے پوچھا۔ "عائشہ کی تصویر کہاں ہے؟" پری نے یہ بات سن کر اپنی چھڑی گھمائی اور ایک تصویر کی طرف اس کا رخ کر کے گھمانا چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تصویر روشن ہو گئی۔ پری نے کہا۔ "یہ عائشہ کی تصویر ہے۔" تینوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا۔ اس تصویر میں رنگ بھی صحیح طریقے سے بھرے ہوئے تھے اور وہ مکمل بھی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ باہر سے آتش بازی کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور سنا کر

لوگ ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دے رہے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ پری غائب تھی۔ وہ تینوں جلدی سے نیچے پہنچیں اور اپنی سہیلیوں کو نئے سال کی مبارک باد دی۔ سب نے مل کر نئے سال کا کیک کاٹا اور ایک دوسرے کو تحفے دیے۔ مگر ان تینوں کے لیے سب سے اچھا تحفہ وہ تھا جو انہیں اس انجان پری نے دیا تھا۔ دنیا میں آگے بڑھنے کا تحفہ۔ کام یاب زندگی گزارنے کا تحفہ۔

پیامِ انعام: 195/ روپے کی کتب

کروبیاں

یقیناً ہمارے ایمان داری، شرافت جیسی چڑیاں ختم ہو گئیں ہیں معاشرے سے ـــ یہ صرف ان [illegible] آپ کو کتابوں میں جا بجا ملیں گے مگر انسانی کردار اور معاشرے میں ان الفاظ کی عملی تصویر کہیں باقی نہیں رہی۔ وہ دور گزر گیا جب محسن سار، دیانت دار فرشتے انسانیت کی امداد کے لیے ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔ اب تو خود غرضی کے ڈیرے ہیں ہر جانب ابھی پرسوں کی مثال لے لیں۔

میرے دفتر کے ایک معزز اور سینئر منیجر کا قصہ ہے۔ یہ موصوف دفتر سے جانے لگے تو داخلی دروازے پر سو روپے کا نیا نوٹ دیکھا۔ یہ حضرت نزدیک گئے۔ ابھی اٹھانے ہی والے تھے کہ سامنے سے کسی اور صاحب کو آتے دیکھا۔ یہ پہلے والے موصوف جلدی سے نوٹ تک پہنچے اور نوٹ پر اپنا پاؤں رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب تک وہ دوسرے صاحب پاس سے گزر نہیں گئے یہ وہیں کھڑے رہے۔ ان کے جاتے ہی جھک کر نوٹ اٹھایا اور رفو چکر۔

میرے چچا جی ہیں جناب طاہر صاحب مجھے بڑے حسرت سے لے کر اپنا قصہ سنا رہے تھے۔ جناب کسی ہوٹل میں کھانا کھانے کی غرض سے گئے تھے۔ خالی میز پر جا کر بیٹھے تو اسی میز پر ایک موبائل پڑا دیکھا۔ جناب نے ادھر ادھر دیکھا اور موبائل جیب میں ڈال لیا۔ کھانا کھانے لگے تھے [illegible] پانی کے دو گلاس پیے اور گھر۔ موبائل مالک نے دو چار دفعہ موبائل پر فون کیا تو سم بدل ڈالی۔ نیا بارہ ہزار والا موبائل مفت میں مل گیا اور کیا چاہیے؟

کاروبار کے سلسلے میں اسلام آباد جانا پڑ گیا تو جہاز سے گیا۔ واپسی میں سیٹ نہ ملی تو پبلک روڈ آنا پڑا۔ گھر آیا تو والٹ غائب۔ سارا سامان چھان مارا، جیبیں الٹ لیں، کہیں نام و نشان تک نہیں۔ اہلیہ نے تسلی دی مگر پریشانی کی بات تو تھی ـــ بارہ تیرہ ہزار کا کیش، فون، اے ٹی ایم کارڈ، شناختی کارڈ اور چند ضروری کاغذات۔ ایک تو سفری تھکن اوپر سے یہ نئی مشکل۔ بالو میرا سر چکرا گیا۔ جس کوچ سے اسلام آباد سے آیا تھا اسے فون کیا۔ اس نے پوری کوچ چیک کی مگر ندارد۔ نہ میں فرشتہ نہ کوچ کا مالک بشر ہی تو ہے ناں۔ تو بس! بی پی شوٹ کر گیا میرا۔ تین دن گزرے، چوتھے دن کوئی شام 6 بجے ملازم نے بتایا کوئی ملنے آیا ہے۔ میں باہر گیا تو کوئی اکیس بائیس سالہ دیہاتی لڑکا میرے انتظار میں ہے۔ چہرے پر تھکن کے اثرات اور جوتے گرد سے اٹے ہوئے۔ "آپ امیر علی ہیں ناں؟" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس نے جھٹ اپنی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کپڑے میں لپٹا ہوا میرا والٹ سامنے تھا۔

"وہ جی میرے ابا کام کرتے ہیں۔ اسلام آباد ہوٹل میں صفائی وغیرہ کا۔ وہاں انہیں ایک کمرے کی صفائی کرتے ہوئے ملا۔ انہوں نے منیجر کو دکھایا جب تک آپ جا چکے تھے۔ منیجر نے کہا کہ وہ صاحب پھر کبھی آپ اسلام آباد آئے تو دے دے گا پر میرے ابا نہ مانے۔ اس نے منیجر سے کہا کہ وہ خود یہ والٹ آپ تک پہنچائے گا۔ وہ خود آپ کو دینے آ رہے تھے پر وہ جس بس میں آ رہے تھے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ابا زخمی ہے جی وہ پر جب بھی اسے پیسوں کا خیال تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہ والٹ آپ تک پہنچا دوں اور دیر سے پہنچانے کی معذرت بھی کر دوں۔"

وہ مجھ سے اجازت مانگ کر واپس پلٹنے لگا، میں نے اسے ہزار کے چند نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔ "تمہارا انعام ہے رکھ لو، کام آئیں گے۔"

"بس جی ناں ابا کہتے ہیں۔" انعام کے لیے کوئی کام کرو پھر وہ ایسے ہی ہے جیسے محنت سے کوئی گھر بناؤ اور پھر خود ہی ڈھا دو۔" صلہ نہیں چاہیے جی مجھے۔ نیکی ضائع نہیں کرتی جی، بس جی ـــ آپ دیکھیں، آپ کی امانت آپ کو لوٹا دی، بس کام ختم۔ اچھا جی، اللہ حافظ۔"

مجھے نہیں معلوم فرشتے کیسے دکھتے ہوں گے۔ وہ کیسے بات کرتے ہوں گے؟ ان کی عادات و اطوار کیسی ہوں گی۔ میں دور جاتے اس اجنبی کو دیکھتا رہا ـــ جو خمیر خدا فرشتوں کی تخلیق کے لیے استعمال کرتا ہے، یقیناً اسی خمیر سے اس اجنبی کا دل بنایا گیا ہو گا۔

میں نے کہا کہ ایمان داری، شرافت اور دیانت داری، ختم ہو گئی لیکن یہ ختم ہو گئی تو دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ ابھی تو دنیا باقی ہے اس لیے ایمان داری اور شرافت بھی قائم ہے ـــ کہیں نہ کہیں کسی ایک کروبیاں (فرشتے) کی صورت میں ـــ

پیامِ انعام: 175/ روپے کی کتب

بڑا پن

سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

آج صالحہ کی سال گرہ تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے اپنی تمام سہیلیوں کو بھی اپنی سال گرہ پر مدعو کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ساری سہیلیاں آ گئیں۔ ان کے ساتھ امیر، سارے تحائف بھی تھے۔ ان میں سے ایک امیر لڑکی فائزہ بھی تھی۔ فائزہ کی سہیلیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ صالحہ کی سال گرہ میں شرکت کرے۔ فائزہ کی سوچ تھی کہ وہ ایک امیر باپ کی بیٹی ہے جب کہ صالحہ کا تعلق غریب گھرانے سے ہے۔ اس نے صالحہ کو گھڑی کا تحفہ دیا۔ وہ گھڑی اس کے پاس پہلے سے موجود تھی۔ صالحہ نے خوشی خوشی فائزہ سے گھڑی کا تحفہ لے لیا۔ صالحہ فائزہ کی دی ہوئی گھڑی کو روزانہ اسکول میں پہن کر جایا کرتی تھی۔ وہ گھڑی صالحہ کو بہت ہی عزیز تھی۔

"کچھ دنوں بعد میری سال گرہ ہے، تم میری سال گرہ میں شرکت کرو گی تو مجھے خوشی ملے گی۔" بریک ٹائم، فائزہ اپنی کلاس فیلوز سہیلیوں سے کہہ رہی تھی۔ "صالحہ تم بھی ضرور آنا۔" فائزہ نے صالحہ کو بھی بے دلی سے دعوت دی۔ صالحہ یہ سن کر خوشی کے ساتھ بولی۔ "فائزہ! میں ضرور تمہاری سال گرہ میں شرکت کروں گی، ان شاء اللہ۔"

صالحہ نے گھر جا کر اپنی امی سے کہا۔ "امی! میری سہیلی فائزہ کی سال گرہ آنے والی ہے، میں اس کے لیے ایک اچھا تحفہ لینا چاہتی ہوں جسے دیکھ کر فائزہ خوش ہو جائے۔" اس کی ماں نے کچھ دیر سوچا اور کہا۔ "بیٹی! تم اس کے لیے ایک اچھا سا کڑھائی والا سوٹ لے لو، کڑھائی کیا ہوا سوٹ تمہاری سہیلی کو اچھا لگے گا۔"

"لیکن امی! میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ کپڑا خریدیں، پھر اس پر کڑھائی کریں۔" صالحہ مایوس ہوئی۔ "کیسے بیٹی! تم روز اپنی جیب خرچ سے جو کچھ رقم بچاتی ہو اس کا کیا کرتی ہو؟" اس کی امی نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں نے سوچا تھا کہ میں کچھ پیسے اپنی جیب خرچ سے بچا کر اپنے لیے ایک اچھا سا فراک خریدوں گی۔" اس نے جواب دیا۔ "بیٹی! تم اپنی سہیلی کے لیے یہ قربانی دے دو اور فائزہ کے لیے اچھا سا سوٹ بنا لو۔" صالحہ نے کہا۔ "لیکن امی! ابھی تو میں زیادہ پیسے جمع نہیں کر پائی، پھر میں کیسے فائزہ کے لیے سوٹ بناؤں گی؟"

"بیٹی! میرے پاس کچھ پیسے رکھے ہوئے ہیں، تم فائزہ کے لیے سوٹ خرید لینا۔" امی مسکرائیں۔ امی نے یہ بات کہہ کر صالحہ کو مطمئن کر دیا۔ فائزہ کی سال گرہ پر ہر جگہ خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ خوشیاں سمیٹنے کے لیے صالحہ ایک تحفے کے ہمراہ سہیلیوں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ فائزہ کی سال گرہ دھوم دھام سے منائی جا رہی تھی۔ فائزہ کی ساری سہیلیوں نے اسے خوب صورت تحائف پیش کیے تو صالحہ ایک بڑا سا تحفہ لیے اس کے پاس آئی اور اسے دے دیا۔ فائزہ نے ایک حیرت بھری نظر صالحہ پر ڈالی پھر تحفہ کھولنے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ چونکی کہ تحفے میں ایک کڑھائی کیا ہوا خوب صورت سا سوٹ تھا۔ "صالحہ" فائزہ کی حیرت سے بھری آواز نکلی۔ "یہ سوٹ تو مہنگا ہے۔"

"ہاں مہنگا ہے لیکن ہماری دوستی سے زیادہ نہیں۔" صالحہ نے حسب معمول پیار سے کہا۔ "لیکن تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟" اس کی حیرت طوالت پکڑتی جا رہی تھی۔

"میں اپنی جیب خرچ سے کچھ پیسے بچاتی تھی، میرا ارادہ تھا کہ میں پیسے جمع کر کے اپنے لیے ایک پیارا سا فراک خریدوں گی، مگر تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو، اس لیے میں نے اپنا فراک خریدنے کا ارادہ چھوڑ کر تمہارے لیے یہ سوٹ بنایا۔ فائزہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "صالحہ! تم نے میرے لیے اتنی قربانی دی اور میرے لیے اتنی محنت سے یہ سوٹ تیار کیا؟" فائزہ کو وہ سب باتیں یاد آ رہی تھیں جب اس نے بے دلی سے صالحہ کو ایک چھوٹا اور معمولی سا تحفہ دیا تھا مگر آج صالحہ اس کے لیے تحفے کے طور پر سوٹ لائی تھی جو بہت پیارا تھا۔ فائزہ نے صالحہ سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ اب وہ سب سے عاجزی اور انکساری سے ملتی اور غرور کرنے سے توبہ کر لی۔

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی

نداء محبوب، جہلم

زوردار آواز سے گھر کا بیرونی دروازہ کھلا۔ وہ غصے اور مایوسی کی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوا۔ کئی ماہ سے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے باوجود شجاع کو نوکری نہیں ملی تھی۔ آج بھی اپنی ڈگریاں اٹھائے وہ ناکام لوٹ آیا تھا۔ شجاع کو نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ گھر کا چولہا بھی ٹھنڈا پڑا تھا۔

چمک دار سیاہ گاڑی شجاع کے گھر کے سامنے رکی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور عبدالرحمن پاشا (بارعب شخصیت کا منفرد شخص) باہر نکلا۔

دروازے پر دستک کی آواز سن کر شجاع نے دروازہ کھولا اور پاشا کو سلام کیا۔ (قدرت شجاع پر مہربان تھی یا کچھ سکھانا چاہتی تھی) شجاع کے سلام کا جواب دیا۔ پاشا نے اسے نوکری کی

پیش کش کی اور اپنا کارڈ شجاع کے ہاتھ میں تھما کر بولا ”یہ نوکری کرنے پر تمہیں میری جانب سے مستقل رہائش کے لیے ایک مکان ملے گا اور تمہارے گھر کا سارا خرچہ میں اٹھاؤں گا مگر۔۔۔ تمہیں یہ نوکری راز میں رکھنی ہوگی۔“ یہ کہہ کر پاشا اپنی گاڑی کی جانب چل دیا۔ اچانک کچھ سوچ کر وہ مڑا اور بولا۔ ”شجاع! یاد رکھنا۔۔۔ اگر یہ نوکری تم نے ایک مرتبہ شروع کر دی تو زندگی بھر چھوڑ نہیں سکو گے اور اگر۔۔۔ اگر اس نوکری کے متعلق کسی کو بھی خبر ہوئی یہاں تک کہ تمہارے اپنے گھر والوں کو بھی تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“ پاشا گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی شجاع کی نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔

عبدالرحمٰن پاشا جیسے لوگ اسی طرح مجبور لوگوں کی مجبوریوں کو اپنی طاقت بنا کر کام نکلوایا کرتے ہیں۔

شجاع خیالوں میں گم چارپائی پر بیٹھا تھا۔ وہ مسلسل اسی نوکری کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے یہ نوکری ہر چیز سے قیمتی اور مستقبل کے لیے چمک دار محسوس ہو رہی تھی۔

شجاع کو نوکری کی شرائط پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ شجاع کو یہ نوکری ہر شرط پر قبول تھی۔ شجاع نے نوکری کے لیے ہاں کر دی۔ نوکری کے شروع دنوں میں عبدالرحمٰن پاشا شجاع کو اپنے اعتماد میں لیتا رہا اور شجاع کو بھی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے یہ نوکری راز میں رکھنے کو کیوں کہا گیا ہے۔

جب سمجھ آیا تو وقت گزر چکا تھا۔ شجاع کو کراچی کے قریب ایک کم گنجان آباد گاؤں میں نوکری ملی۔ پاشا یہاں بچے اغوا کروا کر لاتا اور اپنے مذموم مجرمانہ مقاصد کے حصول کے لیے شجاع سے ان معصوم بچوں کی برین واشنگ کرواتا۔ شجاع کا ضمیر اسے مسلسل ملامت کر رہا تھا۔ یہ اس کے ملک کے ساتھ غداری تھی۔ اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر اس نے کتنے بچوں کا مستقبل چاٹ کر دیا، کتنی گودیں اجاڑ دیں۔ شجاع مزید اپنے ملک کے ساتھ غداری نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ: ”ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی“ جو نوکری اسے ہر چیز سے قیمتی اور مستقبل کے لیے چمک دار محسوس ہو رہی تھی وہ بے روزگاری سے بھی بدتر تھی۔

شجاع اپنے بچوں سے ملنے گھر گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور قریب بٹھا کر سمجھایا ”ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی“۔۔۔ کبھی کسی چیز کو چمکتا محسوس کر کے اٹھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ٹھوکر کھاؤ گے اور منہ کے بل گر جاؤ گے پھر اٹھنا ناممکن سا ہو جائے گا۔ بالآخر شجاع فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، اس نے فیصلہ کر لیا وہ مزید غلط کام نہیں کرے گا۔

چوتھا انعام 115 روپے کی کتب

بلند مقام

اقرا اسلم۔ لاہور

مریم کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ مریم کی ماں وفات پا چکی تھیں۔ اس کے والد نے مریم کو میٹرک کروا کر آگے پڑھنے سے روکتے ہوئے کہا کہ اب میرے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ میں تمہیں آگے پڑھا سکوں۔ مریم اپنے والد کی بات سن کر مایوس ہو گئی، اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے والد کو بے حد دکھ ہوا۔ اگلے دن مریم کے ابو ایک فارم لائے اور کہا کہ اسے بھر دو۔ اسلم صاحب نے کہا ہے کہ وہ تمہاری تعلیم کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ فنڈ سے تمہیں پیسے دلوا دیں گے۔ مریم نے یہ فارم اپنے والد کو واپس دیتے ہوئے کہا کہ ابا جان میں ان پیسوں کی حق دار نہیں ہوں۔ ان پیسوں کے حق دار غریب، معذور اور نادار لوگ ہیں۔ آپ یہ فارم واپس کر دیں، اللہ ہماری مدد کرے گا۔ مریم کی بات سن کر اس کے والد کا سر فخر سے بلند ہو گیا انہیں اس بات کی بھی خوشی تھی کہ ان کی بیٹی اعلیٰ خیالات کی مالک ہے اگلے دن مریم اپنی ٹیچر کے گھر گئی اور انہیں ساری بات بتا دی۔ مریم کی ٹیچر نے اس کے جذبے کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ میرے پاس کچھ بچے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آتے ہیں اگر تم چاہو میں انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گی مریم نے اپنی ٹیچر کا شکریہ ادا کیا اور رضامندی ظاہر کر دی۔ مریم کی ٹیچر نے اسے کچھ پیسے بھی دیے کہ وہ ان پیسوں سے کالج میں داخلہ لے لے۔ بعد میں یہ پیسے آہستہ آہستہ مجھے واپس کر دے۔ مریم شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی۔ اس کے گھر کے حالات کافی بہتر ہو چکے تھے۔ مریم کی ٹیچر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کمپیوٹر کورس کر لے تاکہ وہ کسی اچھی جگہ پر ملازمت کر لے۔ مریم اس پر رضامند ہو گئی اور کمپیوٹر کورس کرنے لگی۔ کمپیوٹر کورس کرنے کے بعد وہ کسی کالج میں ملازمت کرنے لگی اور ترقی حاصل کرنے لگی۔ وہ اپنی ٹیچر کی احسان مند تھی کہ انہوں نے مشکل وقت میں مریم کا ساتھ دیا۔ اسی طرح مریم نے بلند مقام حاصل کر لیا اور کبھی ہمت نہ ہاری۔ اگر مریم ہمت ہار جاتی تو کبھی کامیابی حاصل نہ کر پاتی۔

پانچواں انعام 99 روپے کی کتب

☆☆☆

جب سمندر آج ہی کی طرح پُرسکون ہو تو ہم کتنی آسانی سے جزیرے پر جا سکتے ہیں۔ اللہ تمہیں کیسے صغیر؟" عتیق نے اپنی عینک سنبھالی اور پھر کسی شے کو شدید حیرت سے گھورنے لگا۔ وہ ایک کشتی تھی جو ساحل سمندر سے ایک میل دور کوئی چلا رہا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ صغیر نے انہیں بتایا تھا کہ میلوں دور تک یہاں اس کے علاوہ کسی کے پاس کشتی نہیں ہے۔ چچی نے بتایا تھا کہ اس ساحل سمندر پر دور دور تک کوئی نہیں رہتا اور چچا نے بتایا کہ چھ سات میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ عتیق خود سے بولا۔ "پھر بھی چٹان کے مغربی جانب اتنی دور کس کی کشتی ہے۔ یہ صغیر کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟"

عتیق آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ صرف صغیر ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے سورج کی طرف دیکھا، وہ خاصا اونچائی پر تھا۔ اب کھانے کا وقت تھا اور اسے واپس جانا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ راستے میں صغیر کی کشتی کو دیکھتا جائے گا کہ کیا وہ اپنی جگہ پر بندھی ہوئی ہے اور اگر کشتی نہ ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ دور کشتی میں صغیر ہی ہے لیکن کشتی وہیں موجود تھی اور اپنی مخصوص جگہ پر بندھی ہوئی تھی۔ پانی کی لہریں اسے آہستگی سے ادھر ادھر کر رہی تھیں اور صغیر بھی وہیں موجود تھا جو لکڑی کے ٹکڑے باورچی خانے میں استعمال کرنے کے لیے اکٹھے کر رہا تھا۔ پھر کشتی والا شخص کوئی اور تھا اور کہیں نزدیک ہی رہتا تھا اور اس کی اپنی کشتی بھی تھی۔ عتیق دوڑ کر دوسرے بچوں کے پاس پہنچا۔ وہ یہ سن کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی اور کہنے لگے۔ "ہم جا کر دیکھیں گے کہ وہ شخص کون ہے۔ اس سے دوستی کریں گے تاکہ اس کی کشتی پر سوار ہو کر مچھلیاں پکڑ سکیں۔"

معاذ کہنے لگا۔ "یار عتیق تم نے بڑا کام کیا اور آخرکار تمہاری عینک نے پرندوں کے علاوہ کچھ اور بھی تمہیں دکھانا شروع کر ہی دیا ہے۔" عتیق نے کہا۔ "ہم کل جا کر دیکھیں گے، میں تو ایک دفعہ دکھ کا جزیرہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ دیکھ سکوں کہ وہاں کوئی نایاب پرندے ہیں، بس مجھے لگتا ہے کہ مجھے ہر حال میں وہاں جانا چاہیے۔" نرگس نے کہا۔ "کوئی صغیر کو نہ بتائے کہ ہم نے کسی اور کشتی والے کو دیکھا ہے، وہ ہمیں روکنے کی کوشش کرے گا۔ اسے ہماری اس دلچسپی سے بہت نفرت ہے۔ لہٰذا فیصلے کے مطابق چچی اور صغیر نے اس اجنبی کشتی والے کا ذکر نہیں کیا۔ وہ تہیہ کر چکے تھے کہ کل صبح اسے تلاش کریں گے اور اس سے بات کریں گے لیکن اگلی صبح کے ہونے سے پہلے ہی کچھ ہونا باقی تھا۔

رات کی مہم

اس رات عتیق سو نہیں سکا۔ پورا چاند تھا جو اسے کھڑکی سے

نظر آ رہا تھا۔ چاندنی چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ لیٹے لیٹے چاندنی کے لیے اس قتال کو گھورتا رہا۔ وہ ہوا میں لہراتے منڈلاتے بگلوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور ان سیاہ بگلوں کے متعلق جو چٹانوں پر کھڑے رہتے ہیں جن کی چونچیں پوری طرح کھلی رہتی ہیں، اتنی دیر تک جب تک وہ نگلی ہوئی مچھلی ہضم نہیں کر لیتے۔ اسے دکھ والا جزیرہ یاد تھا کیوں کہ صبح ہی اس نے اسے دیکھا تھا اور بہت پُراسرار لگا تھا۔ وہ دُنیا کے شور سے کتنا پرے اور تنہا تھا لیکن پھر بھی سب کا کہنا تھا کہ کبھی لوگ وہاں رہتے تھے اور اب وہاں کوئی کیوں نہیں رہتا تھا اور وہ کیسی جگہ تھی؟ طارق نے سوچا۔ "کاش! ممکن ہوتا تو میں آج رات ہی وہاں سے ہو آتا۔" یہ سوچ کر وہ گدے سے شور مچائے بغیر اُترا۔ اس نے معاذ کو بھی نہیں جگایا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا اور باہر گھورنے لگا۔ سمندر چاند کی کرنوں سے دمک رہا تھا۔ اُدھر سیدھی کھڑی چٹانوں کے سائے بڑے بڑے دیووں کی صورت میں سمندر پر پڑ رہے تھے۔ عام دنوں سے سمندر آج رات بہت پُرسکون تھا اور ہوا کی تیزی میں بھی بہت کمی تھی۔ کبھی کبھار ہوا طارق سے کھڑکی میں کھڑے ہونے کی وجہ اس کے کانوں میں کوئی سرگوشی کر جاتی تھی۔ پھر اچانک وہ حیرت سے دنگ رہ گیا! ایک کشتی پانی میں اس کی طرف آ رہی تھی۔ ابھی وہ کنارے سے خاصی دور تھی لیکن وہ ساحل کی طرف ہی آ رہی تھی۔ یہ کس کی کشتی تھی؟! طارق نے بہتیرا غور سے دیکھا لیکن اسے نظر نہیں آیا۔ ایک کشتی رات کے وقت یہاں! یہ بہت حیرت انگیز بات تھی۔ اس نے سوچا کہ میں معاذ کو جگاتا ہوں۔" وہ معاذ کے گدے کے پاس پہنچا اور اسے جگانے لگا۔ "معاذ، معاذ! جاگو اور کھڑکی کے پاس آؤ۔" آدھے منٹ میں معاذ مکمل بیدار ہو گیا تھا اور کھڑکی سے طارق کے ساتھ باہر جھانک رہا تھا۔

اس نے بھی کشتی دیکھی اور ہونٹ سکوڑ کر سیٹی ماری جس نے کیلی کو بھی جگا دیا جو فوراً طارق کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ معاذ نے پوچھا۔ "کیا کشتی میں صفیر سوار ہے۔ مجھے تو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کشتی اس کی ہے یا کسی اور کی لیکن طارق آؤ نیچے ساحل پر چلیں اور کشتی کو قریب سے دیکھیں۔ میں تو بہت حیران ہوں کہ یہ کشتی رات کو وہاں کیا کر رہی ہے اور صفیر کے بارے میں مجھے حیرت یہ ہے کہ وہ ہم سب لوگوں کو نا دیدہ چیزوں سے ڈراتا رہتا ہے لیکن وہ خود اس وقت کیسے باہر ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ صفیر ہے۔" انہوں نے گرم کپڑے پہنے، پیروں میں ربڑ کے جوتے اور پھر چکر کھاتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگے۔ جلد ہی وہ چٹانوں والا راستہ عبور کر رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں کشتی آہستگی سے کنارے پر آ گئی۔ معاذ آخر کار بولا۔ "یہ تو صفیر کی کشتی ہے، اب ہم آسانی سے اسے دیکھ سکتے ہیں اور کشتی کے اندر بھی صفیر ہی ہے۔ وہ اکیلا ہے لیکن اس کے پاس کافی سامان ہے۔" طارق کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے وہ مچھلیاں پکڑتا رہا ہو۔ آؤ اس کی جان نکالیں معاذ!" لڑکے چپکے چپکے وہاں پہنچے جہاں کشتی آ رہی تھی، صفیر بادبان سنبھال رہا تھا۔ اس نے کشتی اس جانب کھینچنی شروع کر دی جہاں وہ ہمیشہ کشتی کو باندھا کرتا تھا۔ لڑکے دم سادھے ایک چٹان کے پیچھے بیٹھے تھے۔ صفیر نے بڑی کشتی آسانی سے اس کی مخصوص جگہ سے باندھ دی اور پھر کشتی سے سامان نکالنے لگا۔ اسی وقت یکایک لڑکے اس کے قریب جا دھمکے اور بھوتوں کی طرح اچھلنے کودنے لگے۔ کشتی کو زور زور سے ہلانے لگے۔ صفیر کو کچھ پتا نہ چلا، اس کا توازن بگڑا اور وہ کشتی سے سیدھا پانی میں جا گرا۔ اس کے گرنے سے لہروں کے ارتعاش سے اچانک خاصا شور ہوا لیکن وہ فوراً کنارے پر آیا۔ اس کے چہرے پر سختی کے آثار چاندنی کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔

لڑکے کو اس کے چہرے کے تاثرات سے تھوڑی بے چینی ہوئی۔ صفیر پانی سے نکلا، اپنے جسم کو کسی جانور کی طرح جھرجھری لے کر جسم سے پانی جھاڑا اور بڑی تیزی سے لڑکوں کی طرف آیا۔ طارق نے معاذ کو کہا۔ "یہ تو ہمیں کھانے کے لیے آ رہا ہے۔ آؤ یہاں سے بھاگیں۔" گھر جانے والے راستے کے بیچ صفیر کا مضبوط جسم کھڑا تھا۔ وہ دانت بھینچ کر بولا۔ "اب میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ ایسے لڑکوں کا کیا حشر ہوتا ہے جو رات کو جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔" طارق نے اسے جھکائی دینے کی کوشش کی لیکن صفیر نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے مکا ہوا میں لہرایا، اُدھر طارق کے منہ سے چیخ نکلی، اسی وقت معاذ نے پورے زور سے صفیر کو دھکا دیا۔ اس دھکے سے صفیر کا توازن بگڑا اور اس کے ہاتھ سے طارق چھوٹ گیا۔ لڑکے پوری تیزی سے ساحل سمندر پر دوڑنے لگے لیکن وہ اس پتھریلے راستے جو گھر کی طرف جاتا تھا، کی مخالف سمت

کو دوڑ رہے تھے اور صغیر ان کے پیچھے تھا۔ معاذ ہانپتے ہوئے بولا۔ "اب واپس بھی نہیں مڑ سکتے۔ صغیر آج ہماری چٹنی بنا کر کھائے گا۔ طریق اس غار کی طرف بھاگو تو ہو سکتا ہے ہم اس خفیہ راستے تک پہنچ جائیں۔ یہ اب ہماری زندگی موت کا مسئلہ ہے، میں نہیں جانتا یہ خبیث آدمی غصے میں کیا کر بیٹھے۔ ہو سکتا ہے ہمیں قتل ہی کر دے۔" انتہائی ڈرے ہوئے دونوں لڑکے آخر غار میں گھس گئے اور پھر اپنی جان بچانے تاریک خفیہ راستے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ صغیر بھی پوری تیزی سے ان کے پیچھے پیچھے تھا لیکن پھر انہوں نے غار کے باہر پہنچتے ہوئے صغیر کے سانسوں کی آوازیں سنیں۔ وہ دعا مانگ رہے تھے کہ صغیر اس تاریک سوراخ میں نہ گھس آئے۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ وہ غار کے دہانے پر کھڑا انتظار کرتا رہا تاکہ لڑکے خود ہی غار سے باہر نکلیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ غار کے اندر کوئی خفیہ راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ باہر مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا اور ڈری طرح ہانپ رہا تھا۔ ایک تیز لہر آئی جس نے صغیر کے ٹخنوں کو ڈھانپ لیا۔ لہریں تیزی سے آ رہی تھیں۔ وہ بڑبڑا رہا تھا کہ اگر یہ دونوں باہر نہیں نکلتے تو ساری رات اسی غار میں ہی قید رہیں گے۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ سمندر کی سرکش لہریں اسے جا دبوچیں، پھر یہ۔ وہ سوچ چکا تھا کہ اب یہ دونوں لڑکے غار میں ہی ساری رات بسر کریں گے اور میں صبح سویرے ان سے نپٹوں گا۔ جیسے ہی سمندر کی لہریں صبح کچھ پرسکون ہوں گی، ان کے استقبال کے لیے تیار ہوں گا اور جو سزا میں ان کو دوں گا، یہ ساری عمر اسے یاد رکھیں گے لیکن لڑکے غار میں بیٹھے کانپ نہیں رہے تھے۔

وہ خفیہ راستے کو ایک بار پھر عبور کر رہے تھے لیکن فرق صرف یہ تھا کہ موم بتیاں موجود نہیں تھیں اور راستہ مکمل تاریک تھا۔ خفیہ راستہ بہت ڈراؤنی جگہ ہو گی مگر صغیر سے زیادہ نہیں۔ آخر وہ خفیہ دروازے پر پہنچے اور اسے دھکا دے کر کھولا۔ پھر وہ اوپر چڑھ کر پتھریلے فرش والے تہہ خانے میں پہنچ گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ طریق نے کہا۔ "میرا ہاتھ پکڑو اور ہم دونوں مل کر دوسرا راستہ بھی ڈھونڈ لیں گے۔ تمہیں وہ راستہ تو یاد ہی ہو گا، میں تو بھول گیا ہوں۔" وہ باتیں کرتے وقت سردی سے زیادہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ معاذ کو یقین تھا کہ وہ راستہ جانتا ہے لیکن پھر اسے کچھ لمحوں کی تلاش کے بعد احساس ہوا کہ وہ راستہ بھول چکا ہے۔ انہیں دوسرے تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈتے خاصا وقت لگ گیا۔ انہوں نے دروازہ ڈھونڈنے کے لیے بڑا جتن کیا اور آخر مختلف قسم کے کئی ڈبوں کو گرا کر انہیں دروازہ نظر آیا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ وہ شکر کر رہے تھے کہ انہوں نے چابی اڑا لی تھی۔ معاذ نے دھکا دے کر دروازہ کھول لیا جس سے دوسری طرف لگے ڈبوں کی قطار ایک زوردار دھماکے سے نیچے گر گئی جس کی گونج تہہ خانے کے کونے کونے میں گئی۔ دونوں لڑکے دم بخود کھڑے رہ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مبادا کسی نے سنا ہو تو ادھر آئے لیکن کوئی نہیں آیا۔ انہوں نے ڈبے دوبارہ ترتیب سے لگا دیے۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر چاند کی روشنی میں چمکتے باورچی خانے میں آ گئے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ صغیر کہاں ہو گا، کیا وہ ابھی تک غار کے دہانے پر کھڑا ان کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہو گا لیکن وہ وہاں نہیں تھا وہ تیزی سے اپنی کشتی کی طرف گیا تھا۔ اس میں سے کئی چیزیں نکالی تھیں اور پھر پتھریلے راستے پر چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے سونے والے کمرے میں تھا جو باورچی خانے کے بالکل ساتھ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دونوں لڑکے غار میں کانپ رہے ہوں گے جب ایک زوردار آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ آواز ان ڈبوں کے گرنے کی تھی جو تہہ خانے میں گرے تھے لیکن صغیر کو اس حقیقت کا ابھی علم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے سونے والے کمرے میں کھڑا تھا جیسے اس کے پیر زمین سے جڑ گئے ہوں۔ یہ آواز آخر کیسی تھی؟ اس نے پتا کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اگر وہ کر لیتا تو وہ ان دونوں کو چاند کی روشنی میں باورچی خانے سے چوری چھپی گزرتا ضرور دیکھ لیتا، وہ انہیں ڈرے چوہوں کی سی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ضرور دیکھ لیتا۔ جلد ہی دونوں لڑکے اپنے سونے والے گدوں پر تھے اور صحیح سلامت پہنچ پر خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچ کر ہنس رہے تھے کہ صغیر ابھی تک وہیں کھڑا ان کا انتظار کر رہا ہو گا اور ادھر صغیر کی بانچھیں کھلی تھیں۔ یہ سوچ کر ابھی دونوں لڑکے غار میں ہوں گے اور صبح وہ اس بپھے ہتھیار سے لیس ہو کر جائے گا اور انہیں یاد رہنے والی سزا دے گا۔ آخرکار وہ سب سو گئے۔ صغیر صبح سب سے پہلے بیدار ہوا اور باورچی خانے میں آگ سینکنے لگا۔ اس نے اپنے معمول کی

کے کام ختم کیے اور پھر ایک مضبوط رسّی کو کمرے سے باندھ لیا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جب وہ ساحلِ سمندر پر جاتا اور دونوں لڑکوں کو قابو کرتا۔ لہریں اس کے خیال کے مطابق اتنی پُرسکون ہو چکی ہوں گی کہ اب لڑکے غار سے باہر نکلنے کی سوچ رہے ہوں گے۔ پھر شدید حیرت سے اس کے پاؤں جیسے پتھر کے ہو گئے جب اس نے دیکھا کہ چاروں بچے چلتے ہوئے باورچی خانے میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہ آپس میں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ "آج پتا نہیں ناشتے میں کیا ملے گا، انہیں بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔" "لڑکو! کیا تم رات کو مزے سے سوئے تھے۔" یہ جملہ صفیر کے منہ سے نکلا۔ "ہم ساری رات بہت گہری نیند سوتے رہے۔" پھر طارق بھی گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اسے صفیر کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر بہت مزا آ رہا تھا، وہ کہنے لگا۔ "بڑی گہری نیند تھی، میرا خیال ہے کنگی نے کئی دفعہ ریل گاڑی کے انجن کی سیٹی کی آواز نکالی لیکن وہ بھی ہمیں جگا نہیں سکا۔" ترئین نے پوچھا۔ "صفیر! آج ناشتے میں کھانے کو کیا ملے گا؟" دونوں لڑکیاں لڑکوں سے ان کی رات کی مہم کے بارے میں سن چکی تھیں اور اب وہ بھی لڑکوں کے ساتھ مل کر صفیر کو چڑا رہی تھیں جو ابھی تک سوچ رہا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے اور لڑکے ابھی بھی غار میں ہی ہیں۔ آخر صفیر نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں لڑکے ساری رات اپنے کمرے میں سوتے رہے ہو؟" اسے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ کانوں پر۔ معاذ نے لاپرواہی سے کہا۔ "تو ہم اور کہاں سوتے ہیں، کیا اوکھ والے جزیرے پر؟" صفیر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ واپس مڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رات جو ہوا وہ یہ لڑکے نہیں کر سکتے۔

یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ان دونوں کے چہرے بالکل واضح طور پر نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ طارق اور معاذ ہی تھے۔ اب ایسا ہونا ناممکن لگ رہا تھا، اتنی اونچی لہروں کی موجودگی میں کوئی بھی اس غار سے باہر نہیں نکل سکتا تھا تو پھر یہ لڑکے کیسے نکل سکتے ہیں۔ اس کے لیے بہت پریشانی کا عالم تھا اور صفیر کو یہ سب پسند نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا کہ اسے پچھلے غاروں کے پاس جا کر دیکھنا چاہیے کہ غاروں سے کون نکلتا ہے اور مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رات اس کی جاسوسی کون کرتا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ پچھلے غار کے پاس گیا اور وہ چھپ کے وہاں کسی کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن

یہ بھلا کون سی حیرانی والی بات تھی کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ طارق جو پھر پہلے راستے پر کمزور صفیر کی بے چینی دیکھ رہا تھا، ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "اسے صورتِ حال کی قطعی سمجھ نہیں آ رہی ہے، سب سے اچھا ہم نے یہ کیا کہ خفیہ راستے کا ذکر کسی سے نہیں کیا جس کا بھرپور فائدہ ہم نے کل رات حاصل کیا ہے۔" ترئین کہنے لگی۔ "صفیر! اب تم دونوں کو بھی ان چیزوں میں شامل کرنے کا ذہن سے وہ ہمیں ہمیشہ ڈراتا رہا ہے۔" "بے وقوف صفیر!" "ہمیں سوچتا رہا کہ ہم وہ ننھے بچے ہیں جو اس کی باتوں سے ڈر جائیں گے۔" نایاب پوچھنے لگی۔ "آج جب ہم کام ختم کر لیں گے تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ بہت سہانا موسم ہے، کیا ہم پکنک نہیں منا سکتے یا ساحلِ سمندر پر چٹانوں کے اوپر سیر و گشت۔" وہ باتیں کرتے ہوئے ایک لالٹین بھی صاف کر رہی تھی۔

طارق ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں وہ آدمی سرِراہ مل جائے جسے ہم نے کل دیکھا تھا۔ یہ بہت اچھا ہوگا، ہو سکتا ہے وہ ہمیں اپنی کشتی پر آنے دے۔ ترئین اپنی چچی جان سے پوچھ لو کیا ہم اپنا کھانا اپنے ساتھ لے کر جا سکتے ہیں؟" چچی نے انہیں اجازت دے دی اور آدھے گھنٹے میں وہ روانہ بھی ہو گئے۔ راستے میں انہیں صفیر بھی ملا، وہ اپنی سبزیوں میں گوڈی کر رہا تھا جو گھر کے پیچھے اگائی ہوئی تھیں۔ معاذ چلایا۔ "صفیر کیا تمہاری رات خیریت سے گزری، کیا تم بھی ہمارے جیسے اچھے بچوں کی طرح ساری رات سوتے رہے؟" صفیر فوراً غصے میں آ گیا اور انہیں جھڑکیاں دینے لگا۔ کنگی نے فوراً اس کی نقل اتارنی شروع کر دی جس سے وہ جھکا تاکہ کوئی پتھر اٹھا کر کنگی کو مارے۔ کنگی بولا۔ "شرارتی لڑکا! فوراً اپنے بستر میں لیٹو، شرارتی لڑکا!" اب وہ فضا میں صفیر کی پہنچ سے باہر خاصا اونچا اڑ رہا تھا۔

پرویز صاحب

معاذ اور بچے جب چٹانوں پر چڑھ رہے تھے، انہوں نے پوچھا۔ "طارق! تم نے اس انجنی کشتی کو کہاں سے دیکھا تھا؟" طارق اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "وہاں اوپر سے۔ چٹانوں کے پیچھے۔ وہ بہت بڑی کشتی تھی شاید انجن والی۔ پتا نہیں جب اس کا مالک اسے استعمال نہیں کرتا تو کہاں کھڑا کرتا ہوگا لیکن وہ جو بھی ہے، کہیں قریب ہی رہتا ہے۔ مجھے تو زور زور تک (باقی آئندہ)

مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

امید ہے کہ تعلیم و تربیت کا تمام عملہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوگا۔ ماہ دسمبر کا تعلیم و تربیت ملا دل خوش ہو گیا۔ رسالہ ہمیشہ کی طرح دل چسپ کہانیوں اور معلومات کا خزانہ تھا۔ اسلامی صفحات میں حضور ﷺ کے فضائل اور آپ ﷺ کا بچپن معلومات افزا اور باعث عقیدت اور باعث برکت تحریریں تھیں۔ مسز تین تین نصیحت آموز اور دل چسپ کہانی تھی۔ مسز تین تین کی سادگی، امانت اور دیانت کو سلام۔ پراسرار گاؤں، سزا، صفائی کی عادت ڈالو۔ دل چسپ اور سبق آموز تھیں۔ دانش، میں کاغذ ہوں اور بچوں کا انسائیکلوپیڈیا معلومات سے بھرپور تھے۔ خاص طور پر ٹیٹرا سائکلین (Tetracycline) کے بارے میں معلومات انمول تھیں۔ اچھی باجی جان! کردار قائد اعظم کا مضمون چھاپ کر آپ کا رسالہ بے پناہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ کاش ہمارا معاشرہ قائد اعظم کے سنہری اصولوں پر عمل کر کے دینی اور دنیوی کام یابیاں حاصل کرے۔ (آمین) ہمارے گھر کے بزرگ فرماتے ہیں کہ انہوں نے 1964ء میں تعلیم و تربیت میں بچوں کا ایک ناول جانی پر کیا گزری، پڑھا تھا۔ اس کے مصنف عزیز اثری تھے۔ ناول دل چسپ تھا۔ میں بھی اس کو پڑھنا چاہتا ہوں۔ وہ ناول مجھے کہاں سے ملے گا۔ ایڈریس دے دیں تو نوازش ہوگی۔ (محمد عمر قریشی، [illegible])

دسمبر کا شمارہ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی حسین تحریروں کا گل دستہ تھا۔ حمد و نعت، پیارے نبی ﷺ کا بچپن بہت اچھا لگا۔ مسز تین تین نے بہت کچھ سکھایا، صفائی اور چھوٹا کسان پراسرار گاؤں بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ آئیے مسکرائیں نے خوب ہنسایا۔ سزا، پڑھ کر بہت اچھا سبق ملا۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کے تمام کارکنوں کو صحت اور تندرستی عطا فرمائے۔ میرے اس خط کو ردی کی ٹوکری سے بچا؟ کیوں کہ مجھے ردی کی ٹوکری سے بہت نفرت ہے۔ وہ میرے پہلے بھی بہت سارے خط ہڑپ کر چکی ہے۔ (محمد سلیمان ساقی، [illegible])

پیاری آپی اور قارئین السلام علیکم! تقریباً ایک سال کے بعد حاضری ہو رہی ہے۔ اس دفعہ تعلیم و تربیت 6 تاریخ کو مل گیا ورنہ یا کر 10 تاریخ کو ہی دے کر جاتا ہے۔ اسی لیے حاضری نہیں دے پاتی۔ رسالہ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی شان دار تھا۔ ماہ ربیع الاول گزرتا چلا جا رہا ہے اور 2017ء کا آفتاب بھی اپنے غروب کی طرف گامزن ہے۔ اگر ایک ماہ رسالہ سیرت نمبر کر دیا جائے تو ہر بچہ اپنے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ پر ضرور روشنی ڈالے اور ہر بچے کے ذہن میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کا جذبہ پائیدار اور مستحکم ہوگا اور پچھلے سال بھی میں نے یہی کہا تھا اور اب بھی بہرحال مرضی ہے آپ کی اور دسمبر کے لحاظ سے قائد اعظم کے بارے میں کم از کم 6 یا 7 تحریریں تو ہونی چاہیے تھیں۔ چلو خیر آپی! 2018ء کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ پیارے نونہال قارئین و قارئیات! اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ 2017ء میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور کون سی غلطیاں ہوئیں؟ کون سے جرم سرزد ہوئے؟ آئیے!!! عزم کریں کہ 2018ء کا شمس طلوع ہوتے ہی ہم سب وہ عمل ادا کر کے رب العزت کا شکر ادا کریں گے اور اپنے ملک و ملت کے لیے دعائیں کریں گے۔ اللہ ہمارے ملک کو محفوظ و مامون رکھے (آمین یا رب العالمین) آخر میں آپی ایک شعر کے ساتھ اجازت۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

([illegible]، قصور)

٭ آپ کے خوب صورت خط کا بہت بہت شکریہ!

پیاری باجی السلام علیکم! دسمبر کے زیر نظر شمارے میں سرورق پر روضہ مبارک کی تصویر دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ [illegible] کا ایمان اور ایمانی معلومات افزا مضمون تھے۔ بابائے قوم قائد اعظم پر مضمون نگار نے لکھا کہ مسلم لیگ فنڈ کے سلسلہ میں ملی آرڈر رسید پر قائد اعظم خود سائن کرتے تھے اور بار بار اپنی انگلیوں کو سہلاتے پھر دستخط کرنا شروع کر دیتے کیوں کہ کہا کرتے تھے کہ لوگوں نے میرے اعتماد پر فنڈ دیے مجھے ہی سائن کرنے چاہییں۔ اسی طرح کے اصول پسندی کے واقعات اس مضمون میں پڑھ کر اپنے قائد کی بے پناہ عقیدت اور

صحت میں اضافہ ہوا۔ صفائی کی عادت اور کہانی اچھی تھی۔ تعلیم و تربیت روز افزوں گھر گھر جا رہا ہے۔ مبارک باد قبول کریں۔

([illegible] احمد، راول پنڈی)

☆ ڈیئر [illegible]! آپ نے بہت عرصے کے بعد شرکت کی ہے۔ تبصرے کا شکریہ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ اور آپ کے ساتھی خیریت سے ہوں گے۔ آپ نے پوچھا کیسے ہیں آپ؟ تو اللہ کا بہت شکر ہے۔ اب بات ہو دسمبر کے شمارے کی جانب۔ سرورق نہایت خوب صورت اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک سے سجا ہوا تھا جسے دیکھ کر فرحت محسوس ہوئی۔ آپ کو بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ مبارک ہو۔ اداریہ بھی موقع کی مناسبت سے بہت خوب۔ حضور ﷺ کے خصائل اور پیارے نبی ﷺ کا بچپن جیسی تحریریں آپ شامل کرتے ہیں اور کرتے رہیں یہ بہت اچھا ہے۔ کئی لوگوں کو ان باتوں کا پتا ہی نہیں ہوتا۔ مسٹر میں ہمیں بہت اچھی سبق آموز تحریر، حالات جیسے بھی ہوں ایمان داری کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ پیارے اللہ کے پیارے نام، راشد علی نواب شاہی مثالوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوبیاں اور رحمتوں کے بارے میں سکھاتے ہیں تو بہت اچھے طریقے سے سمجھ آتا ہے۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ خط لکھنے کی جلدی تھی اور شمارہ ابھی مکمل نہیں پڑھا تھا۔ نومبر کے شمارے میں میں نے ہونہار مصور مقابلے میں حصہ لیا اور دوسرا انعام حاصل کیا اور میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا لیکن مجھے انعام پہنچا ہی نہیں۔ انتظار کرتے کرتے تھک گئی۔ پہلی دفعہ جو اس طرح انعام کی حق دار بنی اس لیے خوشی زیادہ تھی۔ اداریے کے آخر میں کہا تھا کہ آپ لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مجھے بھی لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں اگر کہانی بھیجوں تو آپ حوصلہ افزائی کریں گے؟ کیوں کہ میں نے کہیں اور کہانی بھیجی تھی تو وہ پتا ہی نہیں رہا کہ کہانی قابل اشاعت ہے کہ نہیں۔ یہ پتا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ کیا صرف فون کر کے ہی پتا کر سکتے ہیں خط لکھ کر نہیں؟ کہانی شائع جب بھی ہو یا نہ ہو یہ تو پتا چلے وہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں اور ہم میں کیا کیا خامیاں ہیں؟ مہربانی کر کے بتائیے گا ضرور بہت امید سے پوچھا ہے۔ آپ کے لیے بہت سی نیک تمنائیں۔

(سیدہ [illegible]، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆ ڈیئر [illegible]! آپ کو انعام روانہ کر دیا گیا ہے۔ پوسٹ آفس سے پتا کریں۔ کیوں کہ اگر آپ نے وصول نہ کیا ہوتا تو ہمارے پاس واپس آ جاتا، جو نہیں آیا۔ دیگر کہانیوں کے لیے فون پر رابطہ کریں۔

دسمبر کا شمارہ زبردست تھا تمام کہانیاں عروج پر تھیں خاص طور پر ناول "پُراسرار گاؤں" بہت دل چسپ تھا۔ اگلے شمارے کا بے صبری سے انتظار ہے۔ اس شمارے میں اپنا خط دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور میں نے خط لکھنے کا دوبارہ فیصلہ کیا۔ اس امید کے ساتھ کہ ایڈیٹر آپی میرا یہ چھوٹا سا خط ضرور شائع کریں گی۔ میں تو روبی باجی کو سلام کرنا ہی بھول گئی۔ کیا حال ہے روبی باجی مجھے لگتا ہے اس دفعہ بھی آپ میرا [illegible] نہیں کر پائیں گی۔ چلیں رسالے کی بھی تھوڑی نہیں زیادہ ساری تعریف ہو جائے۔ لطیفے پڑھ کر بہت مزا آیا اور کہانی "سزا" پڑھ کر [illegible] کا اندازہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ باقی تحریریں مثلاً ہونہار مصور، لطائف، مختصر مختصر، بالکل تمام کی تمام زبردست تھیں۔

اوہو! اب بہت دیر ہو گئی ہے اگلی دفعہ پھر ملاقات ہو گی اللہ حافظ!

([illegible]، راول پنڈی)

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ جب میرے گھر تعلیم و تربیت آیا تو سب سے پہلے میں نے "مختصر مختصر" کا صفحہ کھولا اور اپنی نظم "کتاب" دیکھ کر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس ماہ کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ سب کہانیاں اور لطیفے بہت دل چسپ تھے۔ میں کچھ سلسلوں میں حصہ لے رہا ہوں۔ امید ہے کہ انعام حاصل کر لوں گا۔ "ان شاء اللہ" تعلیم و تربیت رسالہ اتنا معلوماتی ہے اور دل چسپ رسالہ ہے کہ جب یہ میرے گھر آتا ہے تو میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تعلیم و تربیت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی سے نوازے اور اس رسالے کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے۔ (آمین) ثم آمین۔

آخر میں ایک شعر سے اجازت چاہوں گا۔

تعلیم و تربیت کی کیا بات ہے
ہر رسالہ اس کے سامنے مات ہے

☆ ڈیئر [illegible]! آپ تو آپ ہیں۔

جگہ کی کمی کے باعث صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں

[illegible]

ایک رحم دل بادشاہ رات کو اپنا بھیس بدل کر شہر کا گشت کیا کرتا تھا۔ رعایا سوتی اور بادشاہ جاگا کرتا تھا۔ ایک رات حسب معمول بادشاہ بھیس بدل کر شہر کا گشت کر رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ چار چور دیکھے جو کہیں چوری کرنے جا رہے تھے۔ وہ بادشاہ کو دیکھ کر رک گئے اور پوچھنے لگے۔ "تم کون ہو؟" بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ چور سمجھے کہ یہ بھی کوئی ہماری طرح چور ہی ہے اور مطمئن ہو گئے۔

بادشاہ ان کے پاس ہی ٹھہر گیا اور پوچھا۔ "اتنی رات گئے تمہارا گھر سے نکلنے کا مقصد کیا ہے؟" وہ بولے۔ "وہی مقصد ہے جو تمہارا ہے یعنی چوری کرنا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اگر چوری کرنی ہے تو پھر شاہی محل میں کرو، وہاں سے بہت بڑا خزانہ ہاتھ آئے گا۔ جو عمر بھر کے لیے ہمیں مال دار بنا دے گا۔" چوروں نے یہ مشورہ سن کر اس کی ہمت و جرأت کی داد دی اور کہا۔ "بڑے دلیر چور ہو کر شاہی محل میں چوری کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ تم آج سے ہمارے سردار ہو اور ہم تمہارے تابع دار لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "میرے ہوتے ہوئے تم ذرہ مت اور کسی مشکل کو مشکل مت سمجھو۔ تیار ہو جاؤ، آج شاہی محل ہی کو لوٹا جائے گا لیکن پہلے یہاں بیٹھ کر ایک منصوبہ تیار کر لو اور اپنا اپنا کمال بیان کرو۔ ہم میں سے ہر ایک بتائے کہ وہ کیا خصوصی کمال رکھتا ہے؟" چناں چہ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ایک چور بولا۔ "مجھ میں یہ کمال ہے کہ میں اندھیری رات میں بھی کسی کو دیکھ لوں تو دن میں پہچان لیتا ہوں۔" دوسرا بولا۔ "مجھ میں یہ کمال ہے کہ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ دیوار چاہے کتنی اونچی ہو میری پھینکی ہوئی کمند دیوار کے کنگرے کو پکڑ لیتی ہے اور ہم سب بآسانی اوپر چڑھ سکتے ہیں۔"

تیسرے نے کہا۔ "مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ خزانہ جہاں بھی رکھا گیا ہو، میں اپنی ناک سے مٹی سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ دبایا گیا ہے۔"

چوتھا بولا: "مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ میں کتے کی آواز سن کر سمجھ لیتا ہوں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔" پھر وہ بادشاہ سے پوچھنے لگے۔ "ہم تو اپنا اپنا کمال بیان کر چکے اب تم بتاؤ تم کیا کمال رکھتے ہو؟" بادشاہ نے کہا۔ "مجھ میں یہ کمال ہے کہ اگر مجرم قید میں ہوں اور جلاد انہیں قتل کرنے کے لیے تختہ دار پر بھی لے آئے لیکن میں اپنی داڑھی ہلا دوں تو سارے مجرم قید سے رہا ہو جائیں اور مرنے سے بچ جائیں۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "واہ کیا کمال ہے، واقعی تمہارا کمال سب سے بڑا کمال ہے۔ آج سے تو ہمارا سردار

کیوں کہ میرا وجود ہماری رہائی کا ضامن ہے۔"

اب وہ سب اٹھے اور شاہی محل کا رخ کر کے چلے۔ راستے میں ایک کتے نے انہیں دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ چور جسے کتے کی زبان سمجھنے میں کمال حاصل تھا۔ سب اس سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ یہ کتا کیا کہہ رہا ہے؟ وہ بولا۔ "بھائیو، جو کچھ کتا کہہ رہا ہے تم بھی سنو گے تو یقین نہیں کرو گے۔ مگر یہ خدا کتا جو کچھ کہہ رہا ہے میں سمجھ رہا ہوں۔" وہ بولے۔ "بتاؤ تو سہی کتا کیا کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ سارے ہنسنے لگے اور بولے۔ "بے وقوف کہیں کا۔ بادشاہ اور ہم میں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے کہا۔ "ہنسو یا مجھے بے وقوف کہو لیکن یہ خدا کتا یہی کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں بادشاہ خود بھی موجود ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "ممکن ہے کتے کا مطلب یہ ہو کہ شاہی محل لوٹنے جا رہے ہیں۔" وہ بولا۔ "کچھ بھی سمجھ لو مگر کتا یہی کہہ رہا ہے جو میں بتا چکا ہوں۔"

آگے بڑھے تو شاہی محل کے پاس پہنچے اور کمند پھینکنے والے سے کہا کہ اپنا کمال دکھاؤ اور رسی پھینکو تاکہ ہم سب اوپر چڑھ سکیں۔ اس نے رسی پھینکی جو محل کی دیوار سے اٹک گئی اور یہ سب رسی کے ذریعے اوپر چڑھ گئے۔ اب زمین سونگھنے والے سے کہا کہ زمین سونگھ کر بتاؤ کہ خزانہ کس جگہ موجود ہے۔ چناں چہ اس نے بھی اپنا کمال دکھایا اور زمین سونگھ کر شاہی محل کا خزانہ معلوم کر لیا۔ وہ خزانہ لوٹ کر اسی رسی کے ذریعے محل سے باہر نکل آئے اور شہر سے باہر کسی ویران جگہ میں بیٹھ کر خزانہ تقسیم کرنے لگے۔

بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم مجھے سردار تسلیم کر چکے ہو۔ میری بات مانو اور خزانہ کی تقسیم فی الحال ملتوی کر دو۔ کچھ دنوں کے لیے صبر کرو اور خزانہ یہیں زمین کھود کر دفن کر دو۔ پولیس کو دوڑ دھوپ اور اپنی کوشش کر لینے دو۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو ہم اطمینان سے یہاں آ کر خزانہ نکال کر تقسیم کر لیں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے تابع دار ہیں جو حکم ہو ہمیں منظور ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کہ اب ہم سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوتے ہیں لیکن میں شہر میں نیا ہوں۔ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو۔ اپنا اپنا مکمل پتا مجھے لکھوا دو۔ چناں چہ انہوں نے مکمل پتے دے دیے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو چل دیے اور بادشاہ اپنے محل آ گیا۔

صبح ہوئی تو ایک شور مچ گیا کہ شاہی خزانہ لوٹ لیا گیا۔ پولیس بھاگ دوڑ کرنے لگی تو بادشاہ نے ان چاروں چوروں کے پتے بتا دیے اور کہا کہ ان چاروں کو گرفتار کر لو۔ یہی چور ہیں۔ پولیس نے چاروں کو گرفتار کر لیا۔ چاروں چور بڑے حیران ہوئے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ہماری مخبری کس نے کی۔ ہم چاروں تو پکڑے گئے مگر ہمارا سردار گرفتار نہیں ہوا۔ یہ کیا بات ہے۔ عدالت میں پیش ہوئے تو شاہی مجرم ہونے پر انہیں پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرائے اور اپنے سردار کو یاد کر کے اور بھی پریشان ہوئے کہ اب وہ سارے خزانے کا خود ہی مالک بن بیٹھے گا۔ جب انہیں پھانسی کے لیے لے جانے لگے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان چاروں چوروں کو میرے حضور پیش کیا جائے تاکہ اگر یہ اپنی آخری تمنا رکھتے ہوں تو وہ پوری کی جائے۔

چاروں چور دربار سلطانی میں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ تاج پہنے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ وہ چور جسے یہ کمال حاصل تھا کہ اندھیری رات میں ایک بار دیکھ لے تو صبح کے وقت اسے پہچان لیتا تھا۔

اس نے تخت پر بیٹھے ہوئے سلطان کو غور سے دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور اپنے ایک ساتھی کے کان میں کہنے لگا۔ "تو بھی رات کو کتا ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ ان پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ یہ سامنے تخت پر جو بیٹھا ہے رات کو یہی ہمارے ساتھ تھا۔" دوسرے ساتھی نے کہا۔

"ارے بے وقوف کیا بکتے ہو رات کو ایک کتے کی زبان کا ترجمہ کر کے چور کو بادشاہ بنا دیا اور اس وقت تم بادشاہ کو چور بنا رہے ہو۔" ان کی کھسر پھسر سن کر بادشاہ نے پوچھا کہ تم آپس میں کیا باتیں کر رہے ہو؟

رات کو دیکھ کر دن کو پہچان لینے والا آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "اے ہمارے سردار اپنی داڑھی کب بڑھا لی۔ کیا اس وقت جب ہم پھانسی پر لٹکا دیے جائیں گے۔ ہم نے اپنا اپنا کمال دکھا دیا۔ اب تم بھی اپنا کمال دکھاؤ۔ ہمیں پھانسی سے بچاؤ۔" بادشاہ یہ سن کر ہنس دیا اور کہا کہ پہچان لیا تم نے مجھے، لو میں اپنی داڑھی ہلاتا ہوں۔ جاؤ تم سب کو رہا کیا جاتا ہے۔ سب کو رہا کر دیا گیا، اسی وقت وہ بادشاہ کے قدموں میں گر گئے اور چوری چھوڑ کر نیک اور صالح بن گئے۔ ☆☆

ماہنامہ تعلیم و تربیت پڑھنے والے بڑے جو اب دادا اور نانا بن چکے ہوں گے، وہ اور آج کے بچے جو اس رسالے کے باقاعدہ قاری ہیں وہ ایک نام "سعید لخت" سے یقیناً واقف ہوں گے۔ جی ہاں آپ ان کی کہانیاں اب بھی اکثر پڑھتے رہتے ہیں۔

آج ہم آپ کا تعارف اس پیاری سی شخصیت سے کراتے ہیں۔ سعید لخت کا اصل نام سعید احمد خان تھا۔ وہ 1924ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں ہی 1878ء میں مولانا محمد علی جوہر بھی پیدا ہوئے تھے۔ سعید لخت کا تعلق یوسف زئی قبیلے سے تھا جو سوات اور بونیر سے ہوتا ہوا رام پور آ کر بس گیا تھا۔ ان کے دادا چاندی خانے (امیروں کے گھروں میں سناروں کے زیور بنانے کی جگہ) کے منتظم (انتظام کرنے والے) تھے۔ بعد میں وہ جیلر بھی رہے۔ سعید لخت کے والد لطیف احمد خان درس نظامی (مدرسوں میں پڑھایا جانے والا کورس) پڑھے ہوئے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے اور شاعر بھی تھے۔ یہ لوگ رام پور کے علاقے گھیر منتھول احمد خان میں رہتے تھے۔

سعید لخت کو گھر میں لکھنے پڑھنے کا وہ ماحول ملا جو آگے چل کر ان کے لیے کسی نعمت سے کم ثابت نہ ہوا۔ ان کے چچا رشید احمد خان کی ایک بڑے شاعر شاد عارفی سے دوستی تھی، اس لیے گھر میں ادب کا چرچا رہتا تھا۔

جب چوتھی جماعت میں تھے تو اس وقت ہاتھ سے لکھ کر ایک رسالہ نکالا، اس کا نام "جواہر" تھا۔ یہ انہوں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کیا۔ یہ دراصل آغاز تھا، اس کرن کا جسے آگے چل کر ادب اور بالخصوص بچوں کے ادب کے میدان میں سورج بن کر اجالا بکھیرنا تھا۔

1945ء میں وہ صحافت کے شوق میں مبتلا ہو کر رام پور سے دہلی چلے آئے۔ وہاں پر انہوں نے مشہور صحافی دیوان سنگھ مفتون کے اخبار "ریاست" میں کام کیا۔ ان ہی دنوں لاہور کا چرچا عام تھا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں سب سے بڑا اشاعتی اور صحافتی مرکز لاہور ہی کو مانا جاتا تھا، سو قسمت انہیں لاہور لے آئی۔ دلی سے لاہور آنے کے بعد ان کا رابطہ مشہور اشاعتی ادارے فیروز سنز سے ہوا، اور وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیروز سنز، مولوی فیروز الدین نے 1944ء میں قائم کیا تھا۔ آپ کا پسندیدہ تعلیم و تربیت یہی ادارہ شائع کرتا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ بچوں کے ہمدرد حکیم محمد سعید کی زبان میں لکنت (تتلاہٹ، ہکلا پن) تھا اور ہمارے اور آپ کے پیارے سعید لخت بھی ہکلاتے تھے یعنی لکنت تھی۔ جب لکھنے کا آغاز کیا تو شروع میں نام سعید احمد لکنت لکھا مگر لاہور آنے کے بعد آپ کا نام سعید احمد لخت ہو گیا۔ پھر وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

فیروز سنز اردو کا پہلا معروف انسائیکلوپیڈیا انہوں نے کیا اور دن رات کام کیا۔ اس کے علاوہ فیروز اللغات کے لیے بھی ان کا کام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ وہ ہر وقت کام میں ہی معروف

رہتے تھے۔ اس لیے محفلوں میں جانا یا دوستوں میں رہنا انھیں پسند نہیں تھا۔

سعید لخت کی کہانیاں بامحاورہ، آسان اور دل چسپ ہوتی ہیں۔ ان کے پڑھنے والے جس کہانی کو ایک بار شروع کر دیں تو پھر آخر تک ختم کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ انھوں نے مزاحیہ کہانیاں بھی لکھیں۔ یہ بات بھی آپ کے لیے دل چسپ ہوگی کہ آپ کے محبوب رسالے تعلیم و تربیت کے وہ ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ وہ 1945ء میں اس کے مدیر بنے اور تقریباً چالیس سال تک اس کے لیے کہانیاں لکھتے رہے اور ادارت بھی کرتے رہے۔ انھیں 1961ء میں بچوں کا مقبول ترین لکھاری کا خطاب بھی دیا گیا۔

سعید لخت اپنی کہانیوں میں محاورے اس خوب صورتی کے ساتھ استعمال کرتے تھے کہ بچے نہ صرف اس کا مطلب سمجھ جاتے بلکہ وہ اسے خود بھی روز مرہ زندگی میں استعمال کرنے لگیں۔ ان کا خاص انداز تھا کہ وہ محاورے سے پہلے ایک خاص انداز میں اس کی تمہید مکالموں کے ذریعے باندھتے تھے۔ اس طرح اس کا استعمال باآسانی سمجھ میں آ جاتا۔ ان کے ہاں محلہ سر پر اٹھانا، مارا مارا پھرنا، خدا واسطے کا بیر، سر میں کھجلی، آؤ دیکھا نہ تاؤ جیسے محاورے جا بجا نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ گڑبڑ، بڑبڑ، جھک جھک جیسے الفاظ بھی روز مرہ زندگی میں استعمال ہونے لگے۔

بچوں کے لیے سعید لخت کی سب سے پسندیدہ کتاب "حافظ جی" ہے جو اب تک کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ یہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ ان کی ایک اور کتاب "الو کے گھونسلے" 1973ء میں چھپی تھی۔ یہ بھی دل چسپ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اور مجموعہ "ممو میاں" ہے جس میں سعید لخت کی تین کہانیاں یادگار ہیں۔ ان میں آئس کریم، شمو کے دادا اور ممو میاں شامل ہیں۔

انھوں نے عالمی ادب سے بچوں کے لیے کئی کہانیوں کے ترجمے کیے جو طبع زاد (خود لکھی ہوئی) کہانیوں کی طرح بے حد دلچسپ اور یادگار ہیں۔ ان میں کارلوکلودی کے ناول کا ترجمہ "پنوکیو کے کارنامے" بھی ہے۔ سعید لخت کا ایک خاص انداز بھی رہا کہ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں ہی کتاب میں موجود کہانی سے متعلق بتا دیتے تھے۔ مثلاً پنوکیو کے کارنامے کے آغاز میں وہ یوں تعارف کراتے ہیں: "کہنے کو تو یہ ایک کٹھ پتلے کی کہانی ہے لیکن اسے پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے ہم سچ مچ کے بچے کی کہانی پڑھ رہے ہیں۔"

انھوں نے مشہور ناول نگار ایچ جی ویلز کی ایک کہانی کا ترجمہ "غیبی انسان" کے نام سے کیا ہے۔ رائیڈر ہیگرڈ کے ایک ناول کا ترجمہ "سلیمانی خزانہ" کے نام سے کیا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے "ویلس دیس کی کہانیاں" بھی اردو زبان میں منتقل کی ہیں۔ یہ بے حد دل چسپ اور یادگار کہانیاں ہیں جو اس ملک کے حالات اور روایات سے آگہی دیتی ہیں، جہاں سے ان کا تعلق ہے۔

بچوں کے مشہور ادیب اشتیاق احمد نے کم و بیش آٹھ سو کے قریب جاسوسی ناول لکھے جو بے حد پسند کیے گئے۔ ناول نگاری کے آغاز میں وہ اپنا ناول چھپوانے فیروز سنز گئے۔ ان کا واسطہ بھی سعید لخت سے پڑا۔ انھوں نے مسودہ لیتے وقت ان سے پندرہ دن بعد آنے کا کہا۔ پندرہ دن بعد جب اشتیاق احمد گئے تو ایک بار پھر دو ہفتے بعد آنے کا حکم ملا۔ اس طرح دو تین بار ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس دوران اشتیاق احمد ان سے بدگمان بھی ہوئے مگر چوتھی یا پانچویں بار جانے کے بعد ایک حیرت انگیز انکشاف ان کا منتظر تھا۔ سعید لخت بڑی محبت سے ملے۔ ناول کی پسند کا اظہار کیا اور رقم کی ادائیگی کے لیے بل بھی بنوایا۔ جاتے وقت دوسرا ناول لکھ کر لانے کی فرمائش بھی کی۔ ان کا یہ عمل اشتیاق احمد کے لیے ندامت کا باعث رہا۔ انھوں نے لکھا کہ "جب میرا مسودہ پسند کیے تو مجھے ہر پندرہ دن بعد بلاتے رہے اور جب پڑھ لیا تو پسند کا اظہار کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔"

معلومات کے حوالے سے بھی ان کا اہم کام رہا ہے۔ فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا اور فیروز اللغات کے علاوہ دس جلدوں میں "کیا آپ جانتے ہیں؟" مرتب کی اور ایک بچوں کا انسائیکلوپیڈیا بھی انگریزی سے اردو میں منتقل کیا۔ فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا مرتب کرتے وقت ان کی کام سے لگن اور فرض شناسی کا یہ واقعہ ناقابل فراموش ہے کہ ایک روز دوپہر میں سخت گرمی کے عالم میں وہ پیدل ہی فیروز سنز سے کافی فاصلے پر واقع ایک اخبار کے دفتر جا رہے تھے۔ ایک ساتھی نے دریافت کیا تو بتایا کہ کئی نامور شخصیات اردو انسائیکلوپیڈیا کے دوسرے ایڈیشن کے آنے تک انتقال کر گئی ہیں، ان کا سال انتقال کا ریکارڈ مرتب کرنے اخبار کے دفتر جا رہا ہوں تاکہ اخبارات کی فائلوں سے یہ تاریخیں نکال سکوں۔

ان کی بچوں کو نصیحت تھی: "بچے غلطیاں کرتے ہیں، مگر جو بچہ جلدی سنبھل جاتا ہے اور اپنے آپ کو ٹھیک کر لیتا ہے وہ ترقی، عزت اور شہرت بھی حاصل کرتا ہے۔" ان کے دو صاحب زادے ہیں۔ سعید لخت کا انتقال نومبر 2014ء میں ہوا۔ ☆☆☆

مہذب دنیا سے دور — سمندر کے اس پار — ایک سرسبز جزیرہ تھا۔ اس جزیرے کے چاروں طرف سمندری پانی موجود تھا۔ صدیوں سے اس جزیرے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔ وہاں عجیب الخلقت جانوروں اور پرندوں کا بسیرا تھا۔ ڈائنو سارس دندناتے پھرتے تھے۔ یہ گوشت خور بھی تھے اور سبزی خور بھی تھے۔ ان میں چلنے والے، رینگنے والے اور اڑنے والے بھی شامل تھے۔ اس جزیرے پر کالو مکالو بھی رہتا تھا۔ یہ اُلو کی جسامت کا ایک پرندہ تھا۔ گردن کے اوپر دو سر تھے۔ جو دیکھنے میں طوطے کے سر جیسے نظر آتے تھے۔ دائیں طرف والے سر کا نام "کالو" تھا اور بائیں طرف والے سر کا نام "مکالو" تھا۔ کالو مکالو ابھی بچہ تھا۔ اس کا گھونسلا پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ اس جزیرے میں چرند پرند آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایسی ہی ایک لڑائی میں کالو مکالو کا باپ مارا گیا تھا۔ اب کالو مکالو کی دیکھ بھال کی ساری ذمہ داری اس کی امی کے سر تھی۔ وہ سارا دن خوراک کی تلاش میں رہتی۔ کالو مکالو کے لیے چوگا لے کر وہ گھر لوٹتی تو عجیب صورت حال پیدا ہو جاتی۔ کالو مکالو پرندوں کی جس نسل سے تعلق رکھتا تھا، اس نسل میں نر کے دو سر اور مادہ کا ایک سر ہوتا تھا۔ کالو مکالو کی امی کا تو ایک ہی سر تھا۔ وہ مکالو کو چوگا دیتی تو کالو چیختا اور جب وہ کالو کو چوگا دیتی تو مکالو چیختا بھی اور ساتھ ہی اپنی چونچ کی مدد سے کالو پر حملہ بھی کرتا۔ مکالو کے اس برتاؤ کی وجہ سے کالو مکالو کی امی پریشان رہتی۔ وہ اکثر مکالو کو سمجھاتی۔

"میرے بچے — دو سر ہوتے ہوئے بھی تم ایک ہی ہو۔ ایک دوسرے کا خیال رکھو۔ اسی میں فلاح ہے۔ ورنہ —"

"ورنہ کیا امی۔" مکالو نے پوچھا۔

"میں تمھیں ایک کہانی سناتی ہوں۔" امی کی بات سن کر مکالو کے ساتھ ساتھ کالو بھی متوجہ ہو گیا۔

"پہاڑ کے پیچھے وہ جنگل دیکھ رہے ہو۔" امی نے پوچھا۔

"جی امی جان۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"وہاں بہت سارے درخت ہیں۔ وہاں ایک بہت بڑا، بلند اور پھل دار درخت بھی موجود ہے۔ سال میں بس ایک بار اس درخت کو پھل لگتا ہے، مگر یہ پھل کوئی نہیں کھاتا۔"

"وہ کیوں امی۔" کالو مکالو نے پوچھا۔

"اس درخت کا پھل زہریلا ہے۔ یہ پھل کھانے سے پرندے مر جاتے ہیں۔ اس لیے تمام پرندے اس درخت سے دور

رہتے ہیں۔"

"پھر کیا ہوا امی جان۔" کالو نے پوچھا۔

"ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ سال میں بس ایک ہی بار اس درخت کی چوٹی پر ایک پھل لگتا ہے اور یہ پھل زہریلا بھی ہوتا ہے — ہوا کچھ یوں کہ ایک مرتبہ اس پھل نے درخت کے ساتھ ایک عجیب سی ضد لگائی۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے دنیا دیکھنے کا شوق ہے۔ ایک ہی جگہ پر لٹکے لٹکے میں اکتا چکا ہوں۔ درخت نے اسے سمجھایا کہ تم میرے بچے ہو۔ میرے ساتھ جڑے رہو گے تو زندہ رہو گے۔ ورنہ تم مر جاؤ گے۔ وہ پھل یہ بات سمجھ نہیں پایا۔ دنیا دیکھنے کی خواہش نے اس سے اس کی عقل چھین لی تھی۔ ایک دن درخت سے الگ ہونے کے لیے اس نے زور لگایا۔ اس دن ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ درخت کی شاخ سے جدا ہو گیا۔" احمق کہیں کا دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ اب اس کے ارد گرد گھاس موجود تھی۔ آسمان کے علاوہ وہ کچھ نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ درخت کی بلندی پر وہ قریب اور دور کے مناظر دیکھتا تھا۔ دنیا دیکھنے کی خواہش میں وہ اس نظارے سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ درخت کی شاخ سے اسے زندہ رہنے کے لیے خوراک ملتی تھی۔ اب وہ یہ رابطہ توڑ چکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تر و تازگی ختم ہوتی چلی گئی اور پھر وہ مر گیا۔" کہانی ختم ہو چکی تھی۔ کالو مکالو حیرت سے امی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ کہانی سمجھ نہیں پائے تھے۔ اس کہانی کا نتیجہ تو امی پہلے ہی انہیں بتا چکی تھی۔ امی نے مزید تکرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور مکالو اپنی ہٹ پر قائم رہا۔ وہ کالو کے حصے کی خوراک خود ہی کھا جاتا تھا اور پہلے کی طرح کالو پر حملہ بھی کرتا تھا۔ اب کالو مکالو بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے پرواز کرنے کا سلیقہ بھی سیکھ لیا تھا۔ ایک صبح امی نے کالو مکالو سے کہا۔

"جاؤ بیٹا — اور اب اپنے مقدر کا رزق خود تلاش کرو اور سنو — غور سے سنو — اس درخت کے زہریلے پھل کے پاس بھی مت جانا۔" کالو مکالو نے اپنی امی سے وعدہ کیا اور پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اب وہ جنگل کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ موسم خوش گوار تھا۔ جنگل میں سے پرندوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھنے والا تھا۔ جہاں خوراک کے ساتھ ساتھ اسے نئے دوست بھی ملتے۔ دوست ڈھونڈنے سے پہلے پیٹ بھرنا بہت ضروری تھا۔ کیوں کہ اسے شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ پھڑ پھڑاتے ہوئے ایک پھل دار درخت کی شاخ پر آ بیٹھا۔ یہ شاخ میٹھے اور رسیلے پھلوں سے لدی ہوئی تھی۔ مکالو نے ایک پھل پر چونچ چلائی۔ دوسری طرف کالو نے بھی ایک پھل توڑنے کی کوشش کی۔ اسی پل مکالو نے حسب عادت کالو پر حملہ کر دیا۔

"خبردار — جو تم نے پھل کھانے کی کوشش کی۔" مکالو نے غصے سے کہا۔

"کیوں — ؟ میں کیوں نہ کھاؤں۔" کالو حیرت سے بولا۔

"میں کھا رہا ہوں نہ — تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"ہیں — یہ بھلا کیا بات ہوئی۔" کالو کی حیرت کا عالم دیکھنے والا تھا۔

"احمق کالو — بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کھانے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔" مکالو نے پوچھا۔

"ہم پیٹ بھرنے کے لیے کھانا کھاتے ہیں۔" کالو بولا۔ "تو پھر بس — بات ختم ہو گئی — میں کھاؤں گا۔ ہمارا پیٹ بھر جائے گا۔ پھر تمہیں کھانے کی ضرورت کیا ہے۔ کھانا کھانا مشقت والا کام ہے۔ یہ مشقت مجھے کرنے دو۔ تم آرام کرو۔" مکالو کا فلسفہ سن کر کالو پریشان ہو گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پایا۔ جانتا تھا کہ مکالو اس کی پٹائی کر دے گا۔

اب کالو کی حق تلفی کرنا مکالو کا معمول بن گیا۔ کھانے اور خوش رہنے کی وجہ سے مکالو کا چہرہ شاداب تھا۔ جب کہ کالو کا چہرہ غم زدہ اور پریشان رہنے کی وجہ سے مرجھا چکا تھا۔ وہ خوراک کی لذت سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ ہر پل سوچتا رہتا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ وہ زندگی سے اکتا چکا تھا۔ پھر اس نے سوچ لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس روز کالو مکالو خوراک کی تلاش میں جنگل میں آیا تو اس کی پرواز کا رخ اس درخت کی طرف تھا۔ جس پر زہریلا پھل لگتا تھا۔ کالو کو امی کی سنائی کہانی یاد تھی۔ مگر مکالو یہ کہانی بھول چکا تھا۔ اسے یہ کہانی تب یاد آئی جب کالو مکالو اس درخت کی چوٹی پر آ بیٹھا۔ وہ زہریلا پھل ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔

"احمق کالو — یہ کہاں آ گئے ہو؟" مکالو نے اسے ڈانٹا۔

"کیا کرتا — مجبور ہوں — تم مجھے کوئی پھل کھانے نہیں

دیتے۔ اب میں یہ پھل کھاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ تم یہ پھل کھانے کے لیے ضد نہیں کرو گے۔"

"احمق کالو۔۔۔۔ امی نے جو کہانی سنائی تھی۔ تم وہ کہانی بھول چکے ہو۔ تم بھول چکے ہو کہ یہ پھل زہریلا ہے۔ اسے کھانے کے بعد ہم مر جائیں گے۔" مکالو کی بات سن کر کالو اداسی سے ہنس پڑا۔

"مجھے امی کی سنائی کہانی یاد ہے مگر افسوس تم وہ کہانی بھول چکے ہو۔ میں تو یہاں مرنے ہی آیا ہوں۔ بھلا اس زندگی میں بھی کوئی مزا ہے کہ میں کسی پھل کا ذائقہ تک نہ چکھ پاؤں۔ اب تو میں اس زہریلے پھل کے ذائقے سے ہی لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکتے۔" کالو فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"رک جاؤ کالو۔۔۔۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ اب میں تمہیں برابر کا موقع دوں گا۔" کالو کو پرعزم دیکھ کر مکالو رونے لگا۔

"بس ایک بار معاف کر دو۔۔۔۔ بس ایک بار۔" اسے یوں روتا دیکھ کر کالو کا دل پسیج گیا۔

"میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔۔۔۔ کیوں کہ ہم ایک ہی ہیں۔" کالو نے اسے معاف کر دیا تھا۔

اب کالو مکالو وہاں سے اڑے اور پھر ایک پھل دار درخت کی شاخ پر آ بیٹھے۔ کالو کو پختہ یقین تھا کہ آج وہ ایک عرصے کے بعد پھل کے ذائقے سے لطف اٹھائے گا۔ میٹھا اور رسیلا پھل اس کی آنکھوں کے سامنے جھول رہا تھا۔ یہ پھل دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے پھل کی طرف اپنی چونچ بڑھائی۔ اگلا لمحہ قیامت خیز تھا۔ مکالو نے پھر سے کالو پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی چونچ سے کالو کی گردن کے بال نوچ رہا تھا۔

"احمق کالو۔۔۔۔ میری غفلت کی وجہ سے تم اس درخت تک پہنچنے میں کام یاب ہوئے مگر اب تم کبھی اس درخت تک پہنچ نہیں پاؤ گے اور وہ بھی پھلوں کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے والی بات۔۔۔۔ تو اس پر میرا حق ہے۔۔۔۔ بس میرا۔" مکالو، کالو پر چلا رہا تھا۔ غم کی شدت سے کالو کا برا حال تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور پھر اس کا سر ڈھلک گیا۔ وہ دکھ برداشت نہیں کر پایا تھا۔ کالو کے مرنے کی دیر تھی کہ مکالو کا سانس بھی اکھڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ کالو مکالو کے دو سر تھے، مگر جسم تو ایک ہی تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ کالو کی حق تلفی کرنے کے بعد مکالو زندہ رہ پاتا۔ دوسرے ہی لمحے کالو مکالو نشیب میں گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ جو اپنے ہاتھوں سے اپنی کشتی میں سوراخ کرے۔ اسے ڈوبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ☆☆☆

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے
☆
مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے
(انتخاب شفیق۔ راحیلہ شہزادی۔ میرپور آزاد کشمیر)

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 / جنوری 2018 ء ہے۔

دسمبر 2018ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بذریعہ قرعہ اندازی **500** روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- کیا پایا اس لیے طرّہ کو میں نے، یہ طرزِ خاص ہے اپنا ہمیری (محمد عباس حسین، بہاول پور)
- لک ہے خراب، ناز جواب دے گیا، شربت ہے جو سے وار، جو طرار دے گیا (مصطفےٰ آب، کراچی)
- کنگھی سے "سنورا" سے پہلے کا بے ڈھنگا انداز، مانگ ہے بے ترتیب ہے تنگ تنگی (شانزے اسلم، قصور)
- سوائے اس کے تو کچھ بھی نہیں کیا کہ بال کے پردے میں ہر عیب کو چھپا لیا ہے (سیدہ سارہ مقصود، کراچی)
- ہم نے بالا کے حُسن ہو گئے تم، یہ ختم ہو جائے گا جو تم کو غرور ہوئے تک (محمود نوید، راول پنڈی)

ہونہار مصور

موسم سرما کے پھول

تصاویر صرف اُفقی رُخ میں ہی بنائیں۔

دعا جاوید، شرق پور، شیخوپورہ (پہلا انعام 195 روپے کی کتب)

زہرہ بانو، کمالیہ (دوسرا انعام 175 روپے کی کتب)

محمد حسنین، سلانوالی، سرگودھا (تیسرا انعام 125 روپے کی کتب)

محمد ابراہیم، واہ کینٹ (چوتھا انعام 115 روپے کی کتب)

لائبہ سلیم، لاہور (پانچواں انعام 95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بلا ترتیب قرعہ اندازی: [illegible]

جنوری کا موضوع
برف باری
آخری تاریخ 8 جنوری

فروری کا موضوع
بہار اور ہم
آخری تاریخ 8 فروری

ہدایت: تصویر 8 انچ چوڑی، 5 انچ لمبی [illegible]